محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید سیریز
ناول نمبر 71
زہریلا
کمرہ
اشتیاق احمد
Atlantis
Publications

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اشتیاق احمد

تفریح بھی ، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلیکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	زہریلا کمرہ
نمبر	انسپکٹر جمشید سیریز نمبر 71
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	39روپے

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

ایک حدیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جو آدمی اپنے ہاتھ کی چکنائی دھوئے بغیر سوجائے......

اور اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔''

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔

☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہولیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

''زہریلا کمرہ'' آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ یہ پڑھتے ہی شاید خوف زدہ ہو جائیں کہ زہریلا کمرہ اور وہ بھی آپ کے ہاتھ میں، لیکن گھبرائیں نہیں، یہ صرف آپ ہی کے ہاتھ میں نہیں ہے، میرے پڑھنے والے ہزاروں کے ہاتھوں میں ہے، اور ہاتھ میں ہی کیا، ابھی تو آپ اسے اپنی آنکھوں کے راستے دماغ میں بھی اتاریں گے، گھبرانے کی بات پھر بھی نہیں...... آپ کے ہاتھ اور دماغ زہر سے بالکل محفوظ رہیں گے، اب دیکھئے نا......

آج کل تو غذائیں زہریلی مل رہی ہیں، دوائیں بھی زہریلی مل رہی ہیں اور تو اور دعائیں تک زہریلی مل رہی ہیں، لہٰذا اگر میں نے آپ کے ہاتھ میں زہریلا کمرہ تھما دیا تو کون سا بُرا کیا...... اور اگر بُرا کیا ہے تو آئندہ ناول میٹھا کمرہ کے نام سے لکھ دوں گا، لیکن پھر آپ کہیں گے، بھلا میٹھا کمرہ بھی ہوا کرتا ہے، کیوں صاحب! اگر ٹھنڈا یا گرم کمرہ ہو سکتا ہے تو میٹھا کیوں نہیں ہو سکتا، زہریلا کیوں نہیں ہو سکتا، یقین نہیں آتا تو ناول شروع کر دیں...... کہئے دو باتیں کیسی اوٹ پٹانگ ہیں......

محاوروں کی کبڈی

''کوئی مجھے زہر دے رہا ہے۔''

ملاقاتی کے جملے نے انسپکٹر جمشید کو چونکا دیا، انہوں نے نظر بھر کر اسے دیکھا، ابھی ابھی وہ ان کے دفتر میں داخل ہوا تھا، السلام علیکم کہنے کے بعد جو پہلا جملہ اس نے کہا، وہ یہی تھا۔

''کوئی آپ کو زہر دے رہا ہے، آپ نے یہی کہا ہے نا۔'' انسپکٹر جمشید نے بے یقینی کے عالم میں کہا اور اسے بغور دیکھنے لگے، اس کے چہرے پر باریک باریک مونچھیں تھیں، چہرے کا رنگ سرخ و سپید تھا، آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں، سر کے بال آدھے سفید اور آدھے سیاہ تھے، غالباً پینتالیس سال کے لگ بھگ عمر رہی ہوگی۔

''جی ہاں! میں نے یہی کہا ہے، کوئی مجھے زہر دے رہا ہے۔'' اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔

''وہ کون ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا، اگر جانتا تو اسے پولیس کے حوالے نہ کر دیتا۔'' اس نے کہا۔

''جانتے ہوئے بھی آپ شاید اسے پولیس کے حوالے نہ کر سکتے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''کیوں! پولیس کے حوالے کیوں نہ کر سکتا۔'' اس نے چونک کر کہا۔

''جب تک آپ کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو، آپ کسی کو بھی گرفتار نہیں کرا سکتے۔'' انہوں نے کہا۔

''اوہ ہاں! یہ تو ہے، خیر اسی لیے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔''

''آپ میرے پاس ہی کیوں آتے ہیں، پولیس اسٹیشن کیوں نہیں گئے۔''

''میں پولیس اسٹیشن بھی گیا تھا، انہوں نے پوچھا، مجھے کس پر شک ہے، میں نے کہا، کسی پر نہیں، اس پر تھانے دار صاحب بولے کہ پھر وہ کیا کر سکتے ہیں.... میں مایوس ہو کر اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور اس نے مجھے آپ کے پاس آنے کا مشورہ دیا۔'' اس نے بتایا۔

''اس دوست کا نام کیا ہے، وہ مجھے کیسے جانتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''ان کا نام شاد زبیری ہے، وہ آپ کو کیسے جانتے ہیں، یہ مجھے معلوم نہیں۔''

''اس نام کے کسی آدمی سے میں واقف نہیں، خیر انہیں میرے بارے میں کچھ معلوم ہوگا، آپ نے اب تک اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اوہ ہاں! میرا نام مرزا طفیل ہے، میں یہاں رانا آباد میں رہتا ہوں۔''

''بہت خوب! آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟''

''میرا چمڑے کا کاروبار ہے، شہر میں تین کوٹھیاں ہیں جن کا ہر ماہ چھ ہزار روپے کرایہ وصول ہوتا ہے، چمڑے کے کاروبار سے بھی بہت اچھی آمدنی ہوتی ہے، تیس چالیس لاکھ کا کاروبار ہے۔''

''بہت خوب! اب یہ بتائیے کہ آپ کے گھر میں کون کون رہتا ہے اور ان میں سے آپ کو کون زہر دے سکتا ہے... یہ سوال بالکل وہی ہے، جو پولیس والوں نے آپ سے کیا ہوگا، لیکن آپ اس کا جواب نہ دے سکے، تو کوئی حرج نہیں۔''

''میں واقعی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا، میری کوئی اولاد نہیں، بیوی بھی فوت ہو چکی ہے، ایک چھوٹا بھائی ہے، وہ شادی شدہ ہے، دونوں میاں بیوی میرے پاس ہی رہتے ہیں، گھر میں ایک ملازم ہے جو گھر کے تمام کام کرتا ہے، بہت پرانا اور خدمت گزار ہے، بس گھر میں یہی تین افراد ہیں، اب میں ان میں سے کس پر شک کر سکتا ہوں، چھوٹے بھائی کو میں نے اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے، اس کی خوشی کا ہمیشہ خیال رکھا ہے، میں اس کی شادی اپنی مرضی سے کرنا چاہتا تھا، لیکن اس نے اپنی مرضی کی شادی کر لی، میں نے اس پر بھی کچھ نہیں کہا، اب وہ دونوں بہت خوش ہیں، تو میں بھی خوش ہوں، آپ ہی بتائیے، ایسے میں کون مجھے زہر دے گا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو زہر دیا جا رہا ہے۔''

''ایک ماہ پہلے مجھے سانس میں بہت دِقت محسوس ہوئی تھی، میں نے ڈاکٹر کو فون کیا، اس نے میرا معائنہ کیا، خون لیا، اس کا تجزیہ کرایا اور مجھے یہ ہولناک خبر سنائی کہ میرے خون میں زہر کی بہت معمولی مقدار موجود ہے، جس نے پھیپھڑوں پر اثر کیا ہے، میں یہ سن کر حیران رہ گیا کہ میرے خون میں زہر کہاں سے آ گیا، ڈاکٹر نے زہر کا نام بھی بتایا تھا، جو مجھے یاد نہیں رہا.... اس نے مجھے ہر ممکن احتیاط برتنے کی ہدایت کی، اس روز سے میں نے کھانے پینے میں ہر ممکن احتیاط شروع کر دی، دو ہفتے پہلے میں نے پھر وہی شکایت محسوس کی، حالانکہ میں ڈاکٹر کا نسخہ نہایت باقاعدگی سے استعمال کرتا رہا تھا، پھر ڈاکٹر کو بلایا، اس نے دوبارہ خون لیا اور ڈاکٹر یہ رائے سن کر

خوف زدہ ہو گیا کہ میرے خون میں زہر کی مقدار پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی ہے، حیرت بھی بہت ہوئی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زہر کس طرح دیا جا رہا ہے اور کون دے رہا ہے۔ کل پھر یہی ہوا اور اس مرتبہ ڈاکٹر نے زہر کی مقدار میں اور اضافہ بتایا، میری پریشانی انتہا کو پہنچ گئی، کیونکہ میں نے گھر میں کھانا پینا تک چھوڑ دیا ہے، ان حالات میں تو ڈاکٹر کی دواؤں کے استعمال کے بعد زہر کا اثر ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن ہوا یہ ہے کہ مقدار بڑھ گئی ہے، اب آپ ہی بتائیے، میں کیا کروں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں گم ہو گئے..... آخر انہوں نے کہا۔

''جب تک میں آپ کے گھر کا جائزہ نہ لے لوں، اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر آپ پسند کریں تو میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''تو پھر چلیے! میں اسی وقت چلنے کے لئے تیار ہوں۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں دفتر سے نکل کر باہر آئے، یہاں ایک لمبی سی نیلے رنگ کی کار کھڑی تھی۔

''کار میں ہی چلیے..... میں واپس چھوڑ جاؤں گا۔'' مرزا طفیل نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔''

دونوں کار میں بیٹھ گئے، مرزا طفیل خود کار چلانے لگے۔

''آپ نے ڈرائیور نہیں رکھا۔''

''مجھے ڈرائیونگ کا بہت شوق ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''لیکن اب آپ کو ڈرائیونگ سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ زہر کی وجہ سے

کسی بھی وقت آپ کو تکلیف پیدا ہو سکتی ہے۔''

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے، خیر! میں کل ہی کسی ڈرائیور کے لیے اخبار میں اشتہار دے دوں گا۔''

''میرا ایک ڈرائیور واقف ہے، بہت اچھا آدمی ہے، اشتہار دینے کی ضرورت نہیں میں کل اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ اور اچھی بات ہے۔'' انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ نے کتنے دن سے اپنے گھر کھانا نہیں کھایا؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''تقریباً بارہ تیرہ دن سے ہوٹلوں میں کھا رہا ہوں، گھر میں پانی تک نہیں پیا۔''

''آپ سگریٹ تو نہیں پیتے۔''

''نہیں! اس قسم کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتا۔''

''پھر تو حیرت کی بات ہے، آخر آپ کو زہر کس طرح دیا جا رہا ہے، کون دے رہا ہے اور کیوں دے رہا ہے، غالباً ہمیں یہ تین باتیں معلوم کرنی ہیں۔''

''بالکل! اگر یہ معلوم ہو جائے کہ زہر کون دے رہا ہے، تو معاملہ ہی ختم ہو جائے گا۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

''اچھا خیر دیکھتے ہیں، آپ کے گھر کا جائزہ لینے سے پہلے میں کچھ کہنے کے قابل نہیں۔''

''اور وہ آپ ابھی دیکھ لیں گے، لیجیے ہم پہنچ گئے۔''

مرزا طفیل نے کہا اور انہوں نے نظریں اوپر اٹھا کر دیکھا، وہ ایک عالی شان کوٹھی کے سامنے کھڑے تھے، پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ نیچے اترے اور

اندرونی دروازے کی طرف بڑھے، دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہوتے ہی وہ بُری طرح چونکے۔

☆☆

"کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔" محمود نے اسکول سے نکلتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خیال میں میں کوا ہوں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میں نے تمہیں نہیں کہا، تم نے دیکھا نہیں شاید..... میں سیٹھ ارشد کے بیٹے کی بات کر رہا ہوں، بات اُردو میں کر رہا تھا اور اس میں مشکل سے ہی کوئی لفظ اُردو زبان کا شامل تھا، میں سوچ رہا ہوں، اگر کبھی کسی نے اس سے خالص اردو میں بات کرنے کی فرمائش کر دی تو یہ بُری طرح ناکام ہو جائے گا۔"

"چھوڑو بھئی، کیا خشک بات لے بیٹھے ہو۔" فاروق نے اُکتا کر کہا۔

"تو تمہیں تر باتیں چاہئیں، لیکن تر باتیں تو میں گھر جا کر ہی کر سکتا ہوں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ گھر میں تمہارے لیے گھی کا تالاب موجود ہے، جس میں تیرتے ہوئے باتیں کرو گے۔" فاروق جل کر بولا:

"یہ بات نہیں! آج امی جان نے ہمارے لیے سوئیوں کا زردہ بنانے کا وعدہ کر رکھا ہے، تم جانتے ہی ہو کتنا تر ہوتا ہے، اسے کھانے کے بعد منہ سے کوئی خشک بات نکل ہی سکتی۔" محمود نے شدید لہجے میں کہا۔

"خیر تو ہے، آج میرے کان کاٹنے کے چکر میں تو نہیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں کن کٹا بنا کر کیا کروں گا۔" محمود بولا۔ "یوں تو فرزانہ جانے

کتنی مرتبہ تمہارے کان کاٹ چکی ہے۔"

"ارے باپ رے! پھر کیا بچا ہوگا میرے چہرے پر۔" اس نے بوکھلا کر دائیں ہاتھ سے دونوں کانوں کو باری باری ٹٹولا اور پھر جھینپ کر بولا۔

"مذاق نہ کرو یار، میرے تو دونوں کان بالکل صحیح سلامت ہیں۔"

"تم غلط سمجھے! اس نے محاورۃً تمہارے کان کاٹ رکھے ہیں۔"

"ایک تو تمہاری باتوں میں محاورے بہت کود پڑتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے محاورے ہمارے آس پاس کبڈی کھیل رہے ہوں اور اتفاق سے ہماری باتوں میں کود پڑتے ہوں۔" محمود نے شوخ لہجے میں کہا۔

"محاوروں کی کبڈی..... بھئی واہ! یہ نئی ہوئی، دنیا میں آج تک یہ کبڈی شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔" فاروق چہکا۔

"ہمارا اسکول چونکہ آج کبڈی میں جیتا ہے اور اسی سلسلے میں صبح سویرے ہی چھٹی ہو گئی ہے، لہذا ذہن میں کبڈی کا لفظ آ گیا اور چونکہ بات محاروں پر ہو رہی تھی، اس لیے کبڈی اور محاورہ آپس میں ٹکرا گئے۔"

"اوہ! کوئی زخمی تو نہیں ہوا۔' فاروق چونکا۔

"ظاہر ہے، محاورے ہی زخمی ہوئے ہوں گے، کیونکہ بیچارے کبڈی کے مقابلے میں کمزور ہیں۔" محمود بولا۔

"غلط کہتے ہو، قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے، تو پھر محاورے کبڈی میں کمزور کیسے ہو سکتے ہیں۔"

"لو! اب قلم اور تلوار کو درمیان میں لے آئے۔" محمود نے منہ بنایا۔

''تم شاید کسی اور چیز کو درمیان میں لانا چاہتے تھے، اگر ایسی بات ہے تو خوشی سے لے آؤ، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔''

''شاید آج ہم نے اوٹ پٹانگ باتوں کا تہیہ کر رکھا ہے۔'' محمود بولا۔

''اس لیے کہ اُوٹ پٹانگ باتیں صحت پر بہت خوش گوار اثر ڈالتی ہیں، جسم میں خون اور کیلشیم پیدا کرتی ہیں، دوسرے نمکیات تک پیدا ہونے لگتے ہیں۔'' فاروق نے کہا۔

''اچھا! حیرت ہے پھر تو ان لوگوں پر جو ٹامنز کی گولیوں پر گولیاں کھاتے ہیں، بے وقوف کہیں کے، انہیں تو چاہیئے، دن رات اوٹ پٹانگ باتیں کیا کریں۔'' محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

''دراصل میں نے آج تک یہ راز کسی کو نہیں بتایا.... ورنہ کیمسٹ بیچارے دکانوں پر بیٹھے مکھیاں ماریں اور میں نہیں چاہتا کہ وہ یہ گندا کام کریں۔''

''بہت نیک ارادہ.... ارے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔'' محمود کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

''کیا کوئی چاند گاڑی نظر آ گئی ہے؟'' فاروق نے چونک کر پوچھا اور اس سمت میں دیکھا جس طرف محمود دیکھ رہا تھا۔

اسے ایک آدمی نظر آیا جو بدحواسی کے عالم میں ایک عالیشان کوٹھی سے نکل رہا تھا، اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوٹھی کے پورچ میں کھڑی چھوٹی سی سرخ کار میں بیٹھا اور کار باہر نکل کر تیزی سے ایک سمت میں روانہ ہو گئی۔

''فاروق! تم نے کار کا نمبر نوٹ کیا؟'' محمود نے پوچھا۔

''نہیں! یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں کہ میں اس کی کار کا نمبر نوٹ کرنے

بیٹھ جاتا، ہو سکتا ہے، اس نے کوئی بُری خبر سنی ہو یا کوئی اور بات ہو۔'' فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

''تم احمق ہو۔'' محمود نے جھلا کر کہا اور کوٹھی کے دروازے کی طرف دیکھا، وہاں اسے مرزا طفیل لکھا نظر آیا۔

''تو تم نے کیوں نمبر نوٹ نہ کیا، تم بھی تو یہیں موجود تھے، تم کہیں اور تو نہیں چلے گئے تھے۔'' فاروق نے جھلا کر کہا۔

''میں اس کی حرکات و سکنات دیکھنے میں محو ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بُری طرح کپکپا رہے تھے، کار کا انجن اسٹارٹ کرنے کے لیے بھی اسے کافی محنت کرنا پڑی جیسے چابی پر دباؤ ڈال ہی نہ پا رہا ہو۔''

''ہمیں کیا.... آؤ چلیں۔''

''کیوں نہ اندر چل کر دیکھیں، کیا ماجرا ہے۔'' محمود نے تجویز پیش کی۔

''یہ تو وہی بات ہوگی، آ بیل مجھے مار۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''خیر! اگر تم نہیں چاہتے تو چلو۔'' محمود نے بھی تنگ آ کر کہا۔

ان دنوں کھیلیں ہو رہی تھیں اور جب ان کا اسکول جیتتا تھا، انہیں چھٹی ہو جاتی تھی، کچھ یہی حال فرزانہ کے اسکول کا بھی تھا وہ گھر میں داخل ہوئے تو فرزانہ کی کھنک دار آواز نے ان کا استقبال کیا، وہ فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی، لیکن پھر فوراً ہی چونک اٹھے، فرزانہ کی کھنکتی آواز میں ایک دم گھبراہٹ شامل ہو گئی، پھر اس نے ریسیور پٹخا اور ان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگی، ساتھ ہی اس نے کہا۔

''میں تمہیں کچھ بتانے کے چکر میں وقت ضائع نہیں کر سکتی، میرے ساتھ آنا چاہو تو آ سکتے ہو۔''

یہ کہتے کہتے وہ گھر سے نکل گئی، دونوں حیرت زدہ انداز میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، دوسری طرف سے بیگم جمشید آتی نظر آئیں۔

''امی جان! فرزانہ اسکول سے کب آئی۔''

''ابھی ابھی تو میں نے اس کے لیے دروازہ کھولا ہے، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی، وہ فون سننے لگی اور میں دودھ دیکھنے چلی گئی، دودھ چولہے پر رکھا تھا، اب واپس آئی ہوں تو فرزانہ کو باہر جاتے دیکھا، کیا ماجرا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''خدا جانے، ٹھہریے ہم باہر نکل کر دیکھتے ہیں، شاید ابھی اسے کوئی رکشہ یا ٹیکسی نہیں ملی ہوگی۔'' محمود نے کہا اور دونوں تیزی سے گھر سے باہر نکلے اور سڑک پر آئے پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

فرزانہ انہیں باہر کہیں بھی نظر نہیں آئی، البتہ بہت دور ایک ٹیکسی اڑی جا رہی تھی، انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن کوئی ٹیکسی یا رکشہ نظر نہ آیا، انہوں نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور گھر کی طرف چل پڑے، اندر داخل ہوئے تو فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج رہی تھی۔

☆☆☆

نرغے میں

ان کے سامنے برآمدہ تھا اور برآمدے میں ایک عورت اور ایک بوڑھا آدمی نائیلون کی باریک ڈوری سے بندھے ہوئے تھے، ڈوری اس قدر کس کر باندھی گئی تھی کہ ان کے گوشت میں دھنستی معلوم ہو رہی تھی، دونوں کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر رومال باندھ دیے گئے تھے، ان کی آنکھیں خوف اور دہشت کے مارے باہر کو اُبلی پڑ رہی تھیں۔

انسپکٹر جمشید اور مرزا طفیل تیزی سے آگے بڑھے اور ان پر جھک کر رسیاں کھولنے کی کوشش کی، لیکن نائیلون کی رسی ہاتھ سے نہ کھل سکی، آخر انسپکٹر جمشید نے جلدی سے اپنی جیب سے ننھا سا چاقو نکالا اور رسیوں کو کاٹ ڈالا۔ جلد ہی وہ رسیوں اور رومالوں کی قید سے آزاد تھے اور گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

''یہ میرے بیٹے کی بیوی صوفیہ ہے اور یہ ملازم ہے جانی۔'' مرزا طفیل نے بوکھلاہٹ کے عالم میں تعارف کرایا۔

''آپ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا؟'' انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا، بس خالی خولی نگاہوں سے انہیں گھورتے رہے جیسے ان کی بات سن ہی نہ پائے ہوں۔

''شاید یہ بہت زیادہ سہم گئے ہیں.... آپ ڈاکٹر کو فون کر دیں، آیئے

پہلے ہم انہیں سہارا دے کر اندر لے چلیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے ایسا ہی کیا، ڈاکٹر اور پولیس کو فون کر کے وہ ان دونوں کے پاس ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے، اچانک جانی کے منہ سے نکلا۔

"اُف خدا... یہ سب کیا تھا؟"

"کیا ہوا تھا، جلدی بتائیے، شاید ہم کچھ کر سکیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے دلاسہ دینے کے انداز میں کہا۔

"دروازے کی گھنٹی بجی تھی، میں دروازہ کھولنے آیا، دروازہ کھولا تو ایک آدمی زبردستی اندر گھس آیا، میں نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا، اندر آتے ہی اس نے پستول نکال لیا، میرے منہ سے چیخ نکل گئی، چیخ کی آواز سن کر بیگم صاحبہ دوڑی آئیں، اور پھر یہ بھی سہم کر رہ گئیں، اچانک اس نے آگے بڑھ کر میرے سر پر پستول کا دستہ مارا، پھر بیگم صاحبہ کی طرف بڑھا، اتنے میں میں بے ہوش ہو چکا تھا۔" یہاں تک کہہ کر جانی خاموش ہو گیا۔

"اس نے میرے سر پر بھی ریوالور کا دستہ دے مارا تھا، لیکن میں مکمل طور پر بے ہوش نہیں ہوئی تھی، پھر اس نے ہم دونوں کو کرسیوں سے باندھ دیا، منہ میں رومال ٹھونس دیے اور اوپر بھی رومال باندھ دیے، اس کے بعد وہ گھر کے اندر چلا گیا۔"

"گھر کے اندر چلا گیا؟" مرزا طفیل نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں بھائی جان! خدا جانے اس نے اندر جا کر کیا کیا، وہ تقریباً پانچ منٹ بعد باہر نکلا تھا اور ہم دونوں پر ایک نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔" صوفیہ نے بتایا۔

"اوہ! ہمیں دیکھنا چاہیے.... اس نے اندر کیا کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

گھر کا دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر لیا اور اندرونی حصے کا معائنہ شروع کیا، سب سے پہلے وہ مرزا طفیل کے کمرے میں داخل ہوئے اور دھک سے رہ

گئے۔

کمرے کے اندر تمام چیزیں بکھری پڑی تھیں، الماریاں کھلی پڑی تھیں، میزوں کی درازیں نکال نکال کر باہر ڈال دی گئی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے بڑی جلدی میں کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔

"کیا آپ کے کمرے میں کوئی قیمتی چیز موجود تھی؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"تجوری میں بہت سی نقدی موجود ہے، اس کے علاوہ صوفیہ کے زیورات بھی ہیں۔"

"خیر! تجوری تو بند ہے، شاید وہ کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، کوئی اور ایسی چیز تو یہاں نہیں تھی۔"

"نہیں!" مرزا طفیل نے کہا۔

"بہت اچھا! آپ تجوری دیکھ لیں اور باقی کمرے کا جائزہ بھی لے لیں۔" انہوں نے کہا۔

مرزا طفیل نے جیب سے چابیاں نکالیں اور تجوری کو کھولا، اس میں ہر چیز سلیقے سے رکھی تھی، مرزا طفیل نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہر چیز موجود ہے۔"

"تب پھر اس تلاشی کا کیا مقصد ہے، اس شخص کو کس چیز کی تلاش تھی۔" انسپکٹر جمشید سوچنے کے انداز میں بڑبڑائے۔

"خدا جانے کیا چکر ہے۔" مرزا طفیل نے دوسری چیزوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید کی نظر آتش دان پر رکھی ایک بہت بڑی تصویر پر پڑی، یہ ایک بھاری فریم والی تصویر تھی، اس میں پہاڑوں میں بہنے والے ایک آبشار کا

بہت ہی خوبصورت منظر بنایا گیا تھا، انہوں نے تعریفی نظروں سے اس منظر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کتنی پیاری تصویر ہے، رنگوں کی آمیزش بھی خوب ہے، یہ آپ نے کب خریدی؟''

''یہ میں نے نہیں، میرے لیے شرجیل نے خریدی تھی۔'' مرزا طفیل نے بتایا۔

''شرجیل کون؟'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''ارے! میں نے ابھی تک آپ کو اپنے چھوٹے بھائی کا نام نہیں بتایا۔'' وہ چونکے۔

''بہت خوب! تو یہ آپ کے چھوٹے بھائی کا نام ہے۔''

ان کے منہ سے نکلا اور پھر اچانک ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، آتش دان پر تصویر کے پاس پڑی ایک چیز پر ان کی نظریں جم کر رہ گئیں.... دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور برآمدے میں رکھے فون پر جھک پڑے۔

نمبر گھماتے ہوئے ان کی پیشانی پر پڑنے والے بل گہرے ہو گئے تھے۔

☆☆

فرزانہ ٹیکسی سے اُتر کر تقریباً دوڑتے ہوئے ایک بڑے سے مکان کے دروازے کی طرف دوڑ پڑی، ٹیکسی ڈرائیور حیرت کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا، وہ کرائے کے لیے دس روپے کا نوٹ اس کی طرف پہلے ہی اچھال چکی تھی اور بقایا بھی واپس نہیں لیا تھا، شاید وہ سوچ رہا تھا، یہ عجیب لڑکی ہے۔

اس نے دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبانے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا، لیکن

پھر کچھ سوچ کر اس نے دروازہ دھکیل کر دیکھا، وہ کھلتا چلا گیا، فرزانہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئی اور اندر داخل ہونے کے فوراً بعد دروازہ اندر سے بند بھی کر لیا، اب وہ ایک صحن میں کھڑی تھی، صحن کے دوسری طرف تین سیڑھیاں تھیں اور ان کے اوپر برآمدہ، برآمدے پر سیڑھیوں کے بالکل سیدھ میں ایک کمرہ تھا، اس کمرے کا دروازہ بند تھا، فرزانہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا... دوسرے ہی لمحے ہیئر کلپ اس کے ہاتھ میں نظر آیا، گویا وہ کمرے کے اندر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

اس نے ایک نظر دائیں بائیں ڈالی اور پھر دروازے کے دونوں پٹ ایک دم دھکیل دیے، وہ کھلتے چلے گئے، کمرہ خالی تھا، لیکن اسے ایک عجیب سا احساس ہوا جیسے کوئی کمرے میں موجود ہو، یا کم از کم مکان میں کہیں نہ کہیں کوئی ضرور موجود ہے، اس کے رونگٹے خود بخود کھڑے ہو گئے۔

یہ گھر اس کی سہیلی کا تھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے سہیلی نے اسے فون کیا تھا کہ میرے ابو امی کہیں گئے ہوئے ہیں اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے گھر میں کوئی آ گھسا ہے، میں نے خود کو ڈرائنگ روم میں بند کر لیا ہے اور یہیں سے فون کر رہی ہوں، یہ فون سنتے ہی فرزانہ نے آؤ دیکھا تھا نہ تاؤ، بس دوڑ پڑی تھی، یہاں تک کہ اس نے محمود، فاروق اور اپنی امی کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی، وہ جانتی تھی کہ عمرانہ بہت ذہین اور سمجھ دار لڑکی ہے اور اسے وہم ہرگز نہیں ہوا، آخر وہ ایک وکیل کی بیٹی تھی اور وکیل عالم گیر شہر کا سب سے مشہور وکیل تھا۔

صحن کے بائیں طرف ڈرائنگ روم تھا، اس نے ایک نظر اس پر ڈالی، دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرانہ ابھی تک اندر بند ہے، دن کی روشنی میں کسی کا اس طرح ایک مشہور و معروف وکیل کے گھر میں داخل ہونا حد

درجے عجیب بات تھی۔

اس وقت وہ جس کمرے میں کھڑی تھی، عالم گیر کے دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اس نے کمرے کی ایک ایک چیز پر نظر ڈالی، یوں لگتا تھا جیسے کسی نے کمرے کی تلاشی لی ہو، لیکن سوال تو یہ تھا کہ اس وقت وہ شخص کہاں ہے، کمرے میں ایک فائلوں کی بہت بڑی الماری تھی، میز کے دائیں طرف دیوار میں ایک تجوری نصب تھی، اس کے علاوہ کمرے میں تین کھڑکیاں تھیں، ان کھڑکیاں پر بھاری پردے لٹک رہے تھے، جو کمرے کے فرش تک چلے گئے تھے، اب یا تو وہ ان کھڑکیوں میں سے کسی کھڑکی کے پردے کے پیچھے تھا، یا فائلوں کی الماری میں، اور عین ممکن تھا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی پستول یا خنجر موجود ہو، خیر کلپ کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، وہ الٹے قدموں کمرے سے نکل آئی، بیرونی دروازہ تو پہلے ہی بند کر چکی تھی، لہٰذا سیدھی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی، اس نے دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا تا کہ معلوم ہو سکے، عمرانہ کیا کر رہی ہے۔ جونہی اس کی آنکھ تالے کے سوراخ سے لگی، وہ چونک اٹھی، اندر عمرانہ کمرے کے فرش پر بے ہوش پڑی تھی، سفید کپڑوں میں کوئی شخص ایک الماری کی چیزیں نکال نکال کر فرش پر پھینکتا جا رہا تھا، فرزانہ نے دروازے پر دباؤ ڈال کر دیکھا، وہ بند تھا، کھڑکیوں میں سلاخیں موجود تھیں، اسے اپنی موجودگی سے خبردار کرنا خطرناک ہو سکتا تھا، چنانچہ وہ دم سادھے کھڑی رہی، اس شخص کو اپنی موجودگی سے باخبر کرنا عمرانہ کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا، اب وہ اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی تھی، جب تک کہ وہ شخص باہر نہ نکلے اسے حیرت اس بات پر تھی کہ یہ آدمی کس چیز کی تلاش میں ہے، اچانک اسے پہلے کمرے کا خیال آیا، اس کمرے میں بھی تو اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اندر کوئی موجود ہے، تو کیا اس وقت مکان میں دو چور گھسے ہوئے تھے، اس خیال کے آتے ہی

وہ چونک کر مڑی اور پھر ساکت رہ گئی، ایک لمبا تڑنگا آدمی اس کے سامنے تنا کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک خونی چمک تھی۔

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"ہم مسٹر عالم گیر کے مہمان ہیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر ان کی لڑکی کو کس خوشی میں بے ہوش کر رکھا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ خود ہی بے ہوش ہو گئی ہے، ہم نے اسے فون کرتے سن لیا تھا، بس پھر ہم نے اسے دھمکی دی کہ دروازہ کھول دے، ورنہ مکان کو آگ لگا دی جائے گی، اس نے ڈر کر دروازہ کھول دیا، ہم اندر داخل ہوئے تو وہ خوف سے بے ہوش ہو گئی۔" اس نے بتایا۔

"بہت خوب! لیکن تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہم جان گئے تھے کہ کوئی نہ کوئی فون کے جواب میں ضرور آئے گا.... اس لیے میں اس کمرے میں چھپ گیا، جس میں تم داخل ہوئی تھیں اور میرا ساتھی تمہاری دوست کے ساتھ ڈرائنگ روم میں.... ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ کون آتا ہے، اور اب ہم یہ جان چکے ہیں کہ تمہارے سوا کوئی نہیں آیا... لہٰذا تم بھی سہیلی کے ساتھ جا کر بے ہوش ہو جاؤ۔" اس نے فرزانہ کی بات پر توجہ دیے بغیر کہا۔

"لیکن میں بے ہوش کیوں ہو جاؤں، تم لوگ یہاں کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"انتظار!" اس نے مختصر جواب دیا۔

"انتظار... لیکن کس کا؟" فرزانہ چونکی۔

"عالم گیر وکیل کا.... وہ اپنے کسی بیمار عزیز سے ملنے گئے ہیں، تھوڑی دیر

تک آجائیں گے۔"

"تمہیں ان سے کیا کام ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"بہت ضروری کام ہے، چلو تم بھی کمرے کے اندر، تنویر دروازہ کھول دو، ایک مہمان اور آگیا ہے۔"

"اچھا!" اندر سے آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

"لو! اب تم بھی اپنی سہیلی کے ساتھ فرش پر لیٹ کر بے ہوش ہو جاؤ۔"

"مجھے افسوس ہے، میں بے ہوش نہیں ہو سکتی، کیونکہ میں تم سے خوف زدہ نہیں ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"تب ہم تمہیں خود بے ہوش کر دیں، چلو تنویر اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید کر دو، لیکن ذرا ہلکا ہاتھ مارنا، کمزور سی لڑکی ہے، یوں بھی ہمیں کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے..." دوسرے نے کہا۔

"بہت اچھا جابر!" اس نے کہا اور فرزانہ کی طرف بڑھا، وہ اپنی جگہ کھڑی اسے دیکھتی رہی، نزدیک آنے پر اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور فرزانہ کے سر پر مارا، لیکن اس کا ہاتھ دیوار پر پڑا اور اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا۔" جابر نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا ہاتھ بہک گیا۔" اس نے کہا۔

"اب اگر تمہارا ہاتھ بہکا تو میں تمہارے ایک ہاتھ رسید کر دوں گا۔" جابر نے سخت آواز میں کہا۔

"تم تو جانتے ہو جابر! میرا ہاتھ نہیں بہکا کرتا، آج پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔" تنویر نے حیران ہو کر کہا۔

"چلو جلدی کرو۔" جابر بولا۔

تنویر نے ایک مرتبہ پھر ہاتھ گھمایا، اس مرتبہ اس کا ہاتھ ہوا میں لہرا کر رہ گیا، ساتھ ہی دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فرزانہ اگر چاہتی تو کلپ کو استعمال کر سکتی تھی، مگر جب تک ضرورت محسوس نہ ہوتی، وہ اسے استعمال کرنا پسند نہیں کرتی تھی، دوسرا وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ عالم گیر آجائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ان سے کیا چاہتے ہیں۔

"تنویر! تم ناکارہ ہو چکے ہو.... ایک لڑکی تمہیں دو مرتبہ دھوکا دے گئی، ہٹو ایک طرف میں دیکھتا ہوں، یہ کتنی پھرتیلی ہے۔"

یہ کہہ کر جابر آگے بڑھا، عین اسی وقت... ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی.... وہ ٹھٹھک گئے اور فون کو گھورنے لگے۔

☆☆☆

ڈبل سزا

محمود نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا، دوسری طرف انسپکٹر جمشید تھے۔

"ہیلو.... محمود یہ تم ہو، فون فرزانہ کو دو، جلدی کرو۔"

"جی! وہ گھر میں نہیں ہے۔"

"کیا مطلب! وہ کہاں گئی، انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئی ہے۔" محمود نے کہا۔

"یہ تو تم ایک عجیب بات کہہ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! ہم خود بھی حیران ہیں، ہم ابھی ابھی اسکول سے واپس آئے تھے، اس وقت فرزانہ کسی کا فون سن رہی تھی، فون سنتے ہی وہ بھاگ کھڑی ہوئی، ہم باہر نکلے تو وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔"

"اوہ! میں نے پہلے اسے اسکول میں فون کیا تھا، لیکن وہاں سے پتا چلا کہ سکول میں چھٹی ہو چکی ہے۔"

"آپ کو اس سے کیا کہنا ہے، ہمیں بتائیے، کیا وہ کام ہم نہیں کر سکتے۔" محمود نے کہا۔

"مجھے اس سے کچھ معلوم کرنا تھا، خیر نمبر نوٹ کر لو، جونہی فرزانہ آئے، اس نمبر پر فون کر کے میری اس سے بات کرا دینا۔" انہوں نے کہا اور نمبر لکھوا دیے۔

"یہ کس کے نمبر ہیں ابا جان۔" محمود نے پوچھا۔

"مرزا طفیل کے، رانا روڈ پر ان کی کوٹھی ہے۔"

"جی!!!" محمود کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"تمہیں مرزا طفیل کا نام سن کر حیرت کیوں ہوئی۔" انسپکٹر جمشید کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے، ہم اسکول سے نکل کر رانا روڈ سے ہوتے ہوئے گھر آتے ہیں، ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے ایک کوٹھی سے ایک بدحواس آدمی کو نکلتے دیکھا تھا، وہ سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ کر چلا گیا تھا، ہم نے کوٹھی کے دروازے پر لکھا ہوا نام پڑھا تو مرزا طفیل لکھا نظر آیا۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"بہت خوب! اس آدمی کا حلیہ بتاؤ اور کار کا نمبر بھی بتاؤ۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"جی حلیہ.... ہاں اس کا قد لمبا تھا، پتلا دُبلا آدمی تھا اور اس کے سر کے بال سُرخ رنگ کے تھے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"شاباش! اب جلدی سے کار کے نمبر بتا دو۔"

"مجھے افسوس ہے ابا جان! ہم کار کا نمبر نوٹ نہیں کر سکے، البتہ اس کا رنگ سرخ تھا، چھوٹی سی کار تھی۔"

"خیر کوئی بات نہیں، ویسے تم سے ایسی چوک کس طرح ہوئی۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی بس.... پہلا خیال یہ آیا تھا کہ گھر کے اندر کوئی پریشانی ہوگی، اسی

لیے نمبر نوٹ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"ہوں! تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی، فوری طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ فرزانہ کہاں ہے، اگر تم یہ نہ معلوم کر سکے تو اور بھی سخت سزا کے حق دار ہو گے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی فون کا ریسیور رکھ دیا گیا، محمود ریسیور رکھ کر فاروق کی طرف مڑا۔

"لو بھئی! سزا کے لیے تیار ہو جاؤ، ابا جان اسی مرزا طفیل کے ہاں سے بول رہے تھے جس کی کوٹھی سے ہم نے اس بدحواس آدمی کو نکلتے دیکھا تھا۔"

"سزا کیسی؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہم نے کار کا نمبر نوٹ نہیں کیا تھا، اس لیے ابا جان نے سزا کا مستحق ٹھہرا دیا ہے، دوسری ڈیوٹی یہ لگائی ہے کہ ہم فرزانہ کو جلد از جلد تلاش کریں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن ہم اسے کہاں تلاش کریں۔" فاروق بولا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اچھا تو جب سوچ لو... مجھے بھی بتا دینا، ویسے اس وقت یہاں فرزانہ ہوتی تو فوراً بتا دیتی کہ ہم اسے کس طرح تلاش کر سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا بات کرتے ہو، فرزانہ یہاں ہوتی تو اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"جھلانے سے کچھ نہیں ہوگا، ترکیب سوچو، ہم اسے کس طرح تلاش کر سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! اسے تلاش کرنا ہی ہوگا، ورنہ ابا جان ڈبل سزا دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ارے باپ رے، ڈبل سزا اور مزے کی بات یہ کہ اس ڈبل سزا سے

فرزانہ صاف بچ جائے گی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"حالانکہ اسے ہماری نسبت تین گنا سزا ملنی چاہیئے، اسے کچھ بتائے بغیر یہاں سے نہیں جانا چاہیئے تھا۔"

"بھئی ترکیب سوچو، وقت نہ ضائع کرو۔"

"سنو! ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔" محمود نے کہنا شروع کیا، لیکن فاروق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"حیرت ہے، میرا خیال تھا، اس گھر میں ترکیب صرف فرزانہ کی سمجھ میں آتی ہے۔"

"تم حیران ہوتے رہو اور میں ترکیب کو عملی جامہ پہناتا ہوں۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"فرزانہ کی نوٹ بک میں اس کی تمام سہیلیوں کے نام پتے لکھے ہوئے ہیں، اس میں سے ایسی سہیلیاں چند ایک ہی ہوں گی، جن کے گھروں میں فون لگا ہوا ہے، نوٹ بک میں ان کے فون نمبر بھی درج ہیں، لہذا ہم تمام ٹیلیفونوں والی سہیلیوں کو فون کرنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"حیرت ہے اتنی شاندار اور آسان ترکیب، میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ تمہارے ذہن میں بھی آسکتی ہے۔"

"خیر! اب تو آ گئی، اس پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔"

دونوں اپنے کمرے میں آئے، یہاں ان کی الماریاں الگ الگ تھیں، انہوں نے فرزانہ کی الماری کھولی، اس میں نوٹ بک موجود تھی، اب انہوں نے باری باری ٹیلیفون کے نمبر گھمانے شروع کیے، ہر جگہ سے ایک ہی جواب ملتا رہا، کہ فرزانہ یہاں نہیں آئی، ع والے صفحے پر انہیں عمرانہ عالم گیر کا نام نظر آیا، سامنے فون کا نمبر بھی

موجود تھا، انہوں نے عالم گیر ایڈووکیٹ کے نمبر بھی گھمائے، اگرچہ اب مایوس ہو چکے تھے، اور انہیں اپنی ترکیب ناکام ہوتی نظر آ رہی تھی، نمبر گھمانے کے بعد محمود دوسری طرف سے کسی کے ریسیور اٹھانے کا انتظار کرتا رہا، اس طرح گھنٹی بج رہی تھی، لیکن ابھی تک کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔

''گھنٹی بج رہی ہے، لیکن کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا۔'' محمود نے کہا۔

''فرزانہ بدحواسی کے عالم میں یہاں سے گئی ہے، وہ جس گھر میں گئی ہے، اس میں خیریت نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر وہاں کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا تو پھر وہ یہی گھر ہو سکتا ہے، جہاں فرزانہ موجود ہے، ٹھہرو مجھے ابھی ابھی ایک اور خیال بھی آ رہا ہے، ابا جان مرزا طفیل کے ہاں موجود ہیں اور ظاہر ہے وہاں بھی کوئی گڑبڑ ہے، کہیں ان دونوں گھروں کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو۔''

''کیا پاگلوں جیسی باتیں کرتے ہو، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرزانہ عالم گیر صاحب کے گھر میں موجود ہو، ہم ایسا کرتے ہیں کہ ابا جان کو فون پر اطلاع دے دیتے ہیں اور ادھر کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔''

''بات معقول ہے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں، شاید اس طرح ہم سزا سے بچ جائیں گے۔'' فاروق بولا:

اور محمود مرزا طفیل کے نمبر گھمانے لگا۔

☆☆

''کیا بات ہے! آپ کچھ پریشان سے لگتے ہیں۔'' مرزا طفیل نے حیران ہو کر کہا۔

''آپ آتش دان پر پڑی اس بال پوائنٹ پنسل کو دیکھ رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں! بالکل دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ پنسل میری بیٹی فرزانہ کی ہے، میں حیران ہوں کہ یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔'' انہوں نے کہا۔

''اوہ! یہ تو واقعی حیران کی بات ہے۔'' مرزا طفیل کے منہ سے نکلا۔

''آپ کے بھائی کہاں ہیں، شہر سے باہر تو نہیں گئے ہوئے؟'' اچانک انسپکٹر جمشید کو خیال آیا۔

''نہیں! وہ کارخانے میں ہوگا، صبح سویرے کارخانے چلا جاتا ہے۔'' مرزا طفیل نے بتایا۔

''تو اسے یہاں بلوالیں.... سب کا یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' انہوں نے کہا اور نمبر گھمانے لگے۔

دوسری طرف انسپکٹر جمشید کو پنسل نے پریشان کر رکھا تھا، یہ ایک عجیب ترین بات تھی، فرزانہ کی پنسل کا یہاں بھلا کیا کام تھا، پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد بھی وہ ابھی تک یہ بات معلوم نہیں کر سکے تھے کہ مرزا طفیل کو زہر کس طرح دیا جا رہا ہے، وہ ایک بار پھر ایک ایک چیز کو بغور دیکھنے لگے، پنسل سے ہوتی ان کی نظریں ایک بار پھر تصویر پر جم گئیں، انہیں یوں لگا جیسے یہ تصویر ان سے کچھ کہہ رہی ہو، اس کا فریم بہت چوڑا اور نرم لکڑی کا بنا ہوا تھا، وہ اس کے نزدیک چلے گئے ان کی ناک سے ایک ہلکی سی بو ٹکرائی۔

''اس تصویر کو یہاں شاید ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے انہوں نے مرزا طفیل سے کہا جو فون کر کے فارغ ہو چکے تھے۔

''جی ہاں!'' مرزا طفیل نے کہا۔

"اس کے فریم پر لگے رنگ کی بو محسوس ہو رہی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ہاں! اس بُو کو میں نے بھی محسوس کیا ہے۔" انہوں نے کہا...

"کیا آپ کے بھائی مسٹر شرجیل آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں! آ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، آپ کے بھائی کو آپ سے کتنی محبت ہے۔"

"بے تحاشہ! جب میری والدہ کا انتقال ہوا تو وہ بہت چھوٹا تھا، پھر دو سال بعد میرے والد کا بھی انتقال ہو گیا، میں نے اسے ماں بن کر بھی پالا اور باپ بن کر بھی... لہذا یہ قدرتی بات ہے کہ اسے مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے، آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"میں اب یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کو زہر دینے والا کیا چاہتا ہے، خدانخواستہ آپ کے مرنے کی صورت میں کون آپ کی جائیداد کا وارث ہوگا، کیا سب سے زیادہ حصہ آپ کے بھائی کو نہیں ملے گا، ویسے آپ کے وکیل کا کیا نام ہے۔"

"میرے وکیل کا نام عالم گیر ہے اور...."

مرزا طفیل کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی، انسپکٹر جمشید نے بے تابی کے عالم میں ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے محمود کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہا تھا۔

"ابا جان! ہمارا اندازہ ہے کہ فرزانہ عالم گیر ایڈووکیٹ صاحب کے ہاں گئی ہے، ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

☆☆☆

فرزانہ گرتی ہے

"گھنٹی بجنے دو، ہم فون کا ریسیور نہیں اٹھائیں گے۔" چند سیکنڈ تک گھنٹی بجنے کے بعد آخر جابر نے کہا۔

"لیکن ہمیں معلوم تو کرنا چاہیئے کہ فون کس کا ہے۔" تنویر گھبرا کر بولا۔

"کیا ضرورت ہے، ہم یہاں صرف مسٹر عالم گیر کا انتظار کر رہے ہیں، اگر یہ فون ان کا ہے تو جواب نہ ملنے پر تو وہ اور بھی جلدی یہاں تک آئیں گے اور ہمارا کام مکمل ہو جائے گا۔" جابر بولا۔

"خیر تم جانو، لیکن ان کے آنے سے پہلے ہمیں اس لڑکی کا ضرور بندوبست کر لینا چاہیئے۔"

"اسے تو میں ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں۔" جابر نے کہا۔

"میری کوئی کل خراب تو ہے نہیں کہ تم ٹھیک کر دو گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔ "ویسے اگر تم یہ بتا دو کہ یہاں کس لیے آئے ہو تو شاید میں تمہارے کچھ کام آسکوں۔"

"تم کس طرح کام آسکتی ہو۔"

"میں اس گھر سے اچھی طرح واقف ہوں، یہاں آتی رہتی ہوں، تمہیں کس چیز کی تلاش ہے، مجھے بتا دو، ہو سکتا ہے، میں عالم گیر صاحب کے آنے سے پہلے ہی

تمہارا کام کردوں۔'' اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

''ہمیں چند کاغذات کی تلاش ہے، کیا تم بتا سکتی ہو، اپنے موکلوں کے کاغذات وکیل صاحب کہاں رکھا کرتے ہیں۔''

''وہ ایسے کاغذات ہمیشہ بینک میں رکھتے ہیں۔'' فرزانہ بولی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے، وہ تمام کاغذات تو ہر وقت بینک میں رکھتے ہوں گے۔'' جابر نے کہا۔

''اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو میں کیا کرسکتی ہوں۔'' اس نے کندھے اُچکائے۔

جابر اس کی طرف تیزی سے آیا، وہ چاہتا تھا اسے بھی بے ہوش کردے اور پھر دونوں کو باندھ دے، تاکہ عالم گیر کے آنے پر ان کی طرف سے کسی گڑبڑ کا امکان نہ رہے، فرزانہ پیچھے ہٹنے لگی، اس نے دیکھا، جابر کے تیور بہت خطرناک تھے، وہ فرزانہ کو چھاپ لینے کے موڈ میں تھا، کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا، فرزانہ دو مرتبہ تنویر کا وار بچا چکی تھی۔

فرزانہ پیچھے ہٹتی چلی گئی، یہاں تک کہ دروازے سے جا لگی، جابر کے دونوں ہاتھ اس کا گلا دبوچ لینے کے لیے آگے بڑھے، ساتھ ہی اس نے اپنی ٹانگیں اس طرح پھیلا لیں کہ فرزانہ ادھر سے ادھر نہ نکل سکے، اب فرزانہ نے دیکھا، وہ بُری طرح پھنس گئی تھی، اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے ہیر کلپ کو کیوں استعمال نہ کیا، نزدیک سے وہ کچھ کام نہیں آسکتا تھا، اس کے ساتھ ہی اس نے سوچا..... میں نے عمرانہ اور عالم گیر صاحب کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال دی ہیں، اب یہ لوگ ان کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کریں۔

اسے بے بس پاکر وحشیانہ انداز میں ہنسا، اس کے ہاتھ فرزانہ کے گلے کی

طرف بڑھے، جونہی اس نے جھپٹا مارا، فرزانہ ایک دم نیچے بیٹھ گئی۔ جابر کی انگلیاں دیوار سے ٹکرائیں، اور وہ بلبلا اٹھا، یہ دیکھ کر تنویر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''کیا ہوا جابر؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

''یہ بہت پھرتیلی ہے، لیکن اب میرے شکنجے سے بچ نہیں سکتی۔'' اس نے جھلا کر کہا۔

ابھی اس نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ فرزانہ کے سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں لگی، وہ لڑکھڑا گیا، لیکن ابھی سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ فرزانہ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گئی، لیکن نکلتے وقت اس سے چوک ہوگئی، وہ بھول گئی کہ کمرے میں جابر کا ساتھی تنویر بھی موجود ہے، تنویر نے اس کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑا دی اور وہ دھڑام سے گری، ساتھ ہی اس کے پیر کی ٹھوکر فرزانہ کے سر پر پڑی، اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا، کلپ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اسی وقت ایک کار کے رُکنے کی آواز آئی، تنویر اور جابر چونک اٹھے۔

''شاید عالم گیر صاحب آپہنچے۔'' جابر کے منہ سے نکلا، اس کے ساتھ ہی دونوں نے پستول اپنی جیبوں سے نکال لیے اور دروازے کی طرف بڑھے، دروازہ اندر سے بند تھا، ادھر وہ دروازے پر پہنچے، ادھر گھنٹی بجی، جابر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

عالم گیر اور بیگم عالم گیر دھک سے رہ گئے، ان کے خیال میں تو دروازہ ان کی بیٹی کو کھولنا تھا، لیکن یہاں تو دو پستول بردار کھڑے تھے، ان کا رنگ اُڑ گیا، وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

☆☆

''یہ بات اور کس کس کو معلوم تھی کہ آپ میرے پاس گئے ہیں۔'' انسپکٹر

جمشید نے ریسیور رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں! آپ نے یہ کیوں پوچھا؟" مرزا طفیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"واقعات بہت تیزی سے پیش آ رہے ہیں، جبکہ آپ کو زہر دینے کی رفتار سے تو ان کا منصوبہ بہت لمبا معلوم ہوتا تھا، لیکن آپ چونکہ میرے پاس پہنچ گئے، اس لیے انہوں نے سوچا، اب اپنے منصوبے کو جلد از جلد مکمل کر لیا جائے، کیا آپ اپنی وصیت لکھوا چکے ہیں۔"

"ہاں! میری وصیت عالم گیر صاحب کے پاس محفوظ ہے۔"

"اوہ! تب تو یہ سارا چکر وصیت کا ہی معلوم ہوتا ہے، آپ کی زندگی سخت خطرے میں ہے، خدا جانے آپ کو زہر کس طرح دیا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید پریشان ہو کر بولے۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی.... وہ خاموش ہو گئے، جلد ہی ایک خوبصورت نوجوان اندر داخل ہوا اور انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کیا بات ہے ڈیڈی، خیر تو ہے۔"

"بیٹا یہ وہی زہر والا معاملہ ہے! اپنے ایک دوست کے مشورے سے میں ان کے پاس چلا گیا تھا، یہ تفتیش کے لیے میرے ساتھ ہی آ گئے، انہوں نے آپ کو بلانے کے لیے کہا تو میں نے فون کر دیا۔" یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"اوہو!" شرجیل کے منہ سے نکلا، اس کی نظریں انسپکٹر جمشید کے چہرے سے ٹکرائیں۔

"آپ صبح سے کارخانے میں ہی ہیں، درمیان میں کہیں گئے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک ضروری کام سے باہر گیا تھا، آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"آپ اپنے بھائی کو ڈیڈی کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے انہی کو دیکھا تھا، ماں باپ کو تو میں نے دیکھا تک نہیں۔"

"اگر آپ کے بھائی.... خدا نہ کرے، زہر سے ہلاک ہو جاتے ہیں تو ان کی زیادہ تو دولت آپ کے حصے میں آئے گی، یہ ٹھیک ہے نا۔"

"مجھے نہیں معلوم، بھائی جان نے کیا وصیت لکھوا رکھی ہے نہ میں نے کبھی معلوم کیا ہے، نہ مجھے دولت کی ہوس ہے، میرے لیے تو میرے بھائی ہی سب کچھ ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اسے غور سے دیکھا، اچانک محمود کا بتایا ہوا حلیہ انہیں یاد آیا، اس نے بتایا تھا کہ وہ لمبا اور پتلا دبلا تھا، اس کے سر کے بال بالکل سرخ تھے اور اس وقت ان کے سامنے جو نوجوان تھا، اس کا حلیہ بھی بالکل یہی تھا، یہی سوچ کر انہوں نے پوچھا۔

"کیا آپ کوئی ایک گھنٹہ پہلے یہاں بھی آئے تھے۔"

"یہاں .... نہیں تو .... بھلا میں یہاں اس قدر جلدی کیوں آتا، صرف دو گھنٹے پہلے ہی تو کارخانے گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"تو پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک گھنٹہ پہلے یہاں آپ کے حلیے کا ایک آدمی اندر داخل ہوا تھا، اس نے آپ کی بیوی اور ملازم کو بے ہوش کرنے کے بعد رسیوں سے باندھ دیا تھا اور گھر کی تلاشی لی تھی۔"

"کیا کہا.... صوفیہ زخمی ہو گئی ہے۔" اس نے چلا کر کہا اور دوڑ پڑا، شاید وہ اپنی بیوی کو دیکھنے جا رہا تھا۔

''آپ اس پر تو ناحق شک کر رہے ہیں، یہ مجھے زہر نہیں دے سکتا۔'' مرزا طفیل نے کہا۔

''تو پھر.... کیا آپ کو زہر بیگم شرجیل دے رہی ہیں یا پھر آپ کا ملازم دے رہا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''بہر حال! اس وقت تک میں صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی آپ کا وصیت نامہ پڑھنے کی فکر میں ہے، کیا آپ کے علاوہ کوئی یہ نہیں جانتا کہ وصیت نامے میں کیا ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''وکیل عالم گیر ضرور جانتے ہیں۔'' مرزا طفیل بولے۔

''بہت خوب! میں پوچھنے کا حق تو نہیں رکھتا، لیکن اگر آپ مجھے بتا دیں کہ وصیت کیا ہے تو مجھے بہت مدد ملے گی۔''

''میں آپ کو بتانے کے لیے تیار ہوں، لیکن آپ اس کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔'' مرزا طفیل نے رازدارانہ لہجے میں کہا اور انسپکٹر جمشید حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ یہ کوئی ایسی راز کی بات نہیں تھی۔

''بہت اچھا! اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو نہیں بتاؤں گا۔'' انہوں نے کہا۔

مرزا طفیل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ شرجیل دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔

''صوفیہ اب ٹھیک ہے، اب فرمائیے، آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''صوفیہ کیا کر رہی ہے بیٹے۔''

''اپنے بھائی کو فون کر رہی ہے، آپ کو معلوم ہی ہے، وہ اپنے بھائی سے کس

قدر محبت کرتی ہے۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔''

''تو آپ کی بیگم کا کوئی بھائی بھی ہے، ان کا نام؟'' انسپکٹر جمشید نے چونک کر پوچھا۔

''اکرام رشید!'' شرجیل نے کہا۔

''وہ کیا کام کرتے ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''دکان کرتے ہیں، لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''کوئی شخص آپ کے والد کو زہر دے رہا ہے اور وہ بھی بہت آہستہ آہستہ، ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ زہر کس طرح دیا جا رہا ہے، اگر یہ بات ہی معلوم ہو جاتی تو بھی کوئی خطرے والی بات نہیں تھی، اس لیے میں اس قسم کے سوالات کر رہا ہوں، تاکہ کسی نتیجے پر پہنچ سکوں، سنا ہے، یہ تصویر آپ لائے تھے، بہت پسند آئی مجھے۔''

''جی ہاں! یہ میں نے اپنے والد کے لیے پسند کی تھی، انہیں بھی بہت پسند آئی ہے۔''

''مسٹر اکرام رشید یہاں اکثر آتے رہتے ہوں گے، اپنی بہن سے ملنے کے لیے۔''

''جی ہاں! وہ بالکل ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہیں، اکثر رات کو یہیں رہ جاتے ہیں۔''

''بہت خوب! اب میں آپ کی بیگم اور ملازم سے ایک دو سوال اور کروں گا اور اس کے ساتھ ہی آپ کو حد درجے احتیاط کرنے کا مشورہ دوں گا، اپنے سوا کسی پر

اعتبار نہ کریں، کسی پر بھی نہیں..... مسٹر شرجیل آپ جا سکتے ہیں، اب مجھے آپ سے کچھ نہیں پوچھنا۔''

''بہت بہتر!'' اس نے کہا اور کمرے سے چلا گیا، لیکن مڑتے وقت انسپکٹر جمشید نے محسوس کیا، اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے، انسپکٹر جمشید مرزا طفیل کے ساتھ بیگم شرجیل کے کمرے میں آئے، ان پر نظر پڑتے ہی وہ بولی۔

''مجھے شرجیل نے بتایا ہے، آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ڈیڈی کو زہر کون اور کس طرح دے رہا ہے۔''

''ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔''

''لیکن بھلا ہم میں سے ایسا کم بخت ہوگا، یہ ضرور کسی باہر کے آدمی کی حرکت ہے۔''

''باہر کے آدمی کو کیا پڑی.... اسے انہیں زہر دے کر کیا فائدہ؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔'' صوفیہ بولی۔

''خیر! میں سوچوں گا، آپ یہ بتائیے، اس گھر سے آپ کو کتنا پیار ہے۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، یہ گھر میری جنت ہے۔''

''اگر زہر دینے کا کام آپ کے شوہر کر رہے ہوں تو پھر آپ کیا کریں گی۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''آپ میرے سوال کا جواب دیں۔'' انہوں نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

''مجھے اپنے شوہر سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو جائے گی، اور میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنایا، اب انسپکٹر جمشید ملازم جانی کے پاس آئے۔

''کیا تم بتا سکتے ہو، مرزا صاحب کو زہر کس طرح دیا جا رہا ہے۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ انسپکٹر جمشید اس کی آواز سن کر سوچ میں پڑ گئے۔

''تم پہلے کہاں کام کرتے تھے؟''

''کسی کے پاس ملازم نہیں تھا، محنت مزدوری میرا پیشہ تھا۔''

''بہت خوب! تمہارا اصل نام کیا ہے۔'' انہوں نے اچانک کہا۔

''جی! کیا مطلب؟'' جانی زور سے چونکا۔

''میں تمہارا اصل نام پوچھ رہا ہوں۔''

''میرا اصلی نام محمد رمضان ہے، بچپن میں ہی جانی نام پڑ گیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''لیکن جاتو..... میرے کان دھوکا نہیں کھا سکتے، میں تمہاری آواز بہت اچھی طرح پہچان سکتا ہوں، ڈاڑھی کی موجودگی میں تمہاری پہچان ضرور مشکل ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم دس سال بعد بھی اپنی آواز نہیں بدل سکے۔''

اچانک جانی اٹھا اور انسپکٹر جمشید کے پیر پکڑتے ہوئے اور روتے ہوئے بولا۔

''خدا کی قسم انسپکٹر صاحب! میں نے سب برے کام چھوڑ دیے ہیں اور اب نہایت ایمان دارانہ زندگی بسر کر رہا ہوں۔'' مرزا طفیل کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں۔

''لیکن دس سال پہلے بینک کی ڈکیتی کے سلسلے میں پولیس کو تمہاری تلاش تھی۔''

''میرا اللہ جانتا ہے، اس ڈکیتی میں بھی میرا ہاتھ نہ تھا یہ بھی میرے مخالفوں کی چال تھی، انہوں نے میرا شناختی کارڈ چرا کر وہاں ڈال دیا تھا اور اسی دن میں غائب

ہو گیا تھا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"خیر! میں خاموشی اختیار کر لیتا ہوں، لیکن اگر اس معاملے میں تمہارا ہاتھ ثابت ہوا تو پچھلا معاملہ بھی اٹھایا جائے گا، ابھی وقت ہے، اگر کچھ معلوم ہے تو صاف صاف بتا دو، میں وعدہ کرتا ہوں، تم صاف بچ جاؤ گے۔"

"میں اس بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتا، سچ کہتا ہوں۔"

"خیر! اگر یہ بات جھوٹ ثابت ہوئی تو ذمے دار تم خود ہو گے۔" انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل آئے۔

"مرزا صاحب! اب میں چلوں گا، میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آج رات آپ اپنی کوٹھی سے کہیں باہر گزاریں، آپ کے گرد موت کا جال پھیلایا جا چکا ہے، اگر آپ کہیں تو میں آپ کی حفاظت کے لیے دو چار کانسٹیبل بھی مقرر کر دوں، لیکن گھر کے اندر وہ بھی کچھ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ گھر کے اندر حملہ زہر سے ہوگا۔"

"آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔" مرزا طفیل نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے لیے فکر مند ہوں اور یہاں سے سیدھا عالم گیر وکیل کے گھر جا رہا ہوں، کیا آپ مجھے ان کا پتا بتا سکتے ہیں۔"

"جی ہاں کیوں نہیں، وہ گیارہویں سڑک کی نویں گلی کے مکان نمبر پندرہ میں رہتے ہیں، رات ہونے سے پہلے آپ کانسٹیبل کو بھیج دیجیے گا، میں ان کی حفاظت میں یہاں سے نکل جاؤں گا اور رات کسی ہوٹل میں گزار لوں گا۔"

"ہاں! آپ کے لیے یہی بہتر رہے گا۔" انہوں نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف چل پڑے۔

"میں آپ کو کار میں لے چلتا ہوں۔" مرزا طفیل بولے۔

"نہیں! آپ تکلیف نہ کریں، آپ پہلے ہی بیمار ہیں، زہر کا اثر کسی وقت بھی

تیز ہو سکتا ہے۔"

وہ دروازے سے نکل رہے تھے کہ دوسری طرف سے ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی آتا نظر آیا، وہ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا، پھر فوراً ہی بولا۔

"صوفیہ کیسی ہے۔"

"اب بالکل ٹھیک ہے، یہ انسپکٹر صاحب ہیں، یہ اکرام رشید ہیں، صوفیہ کے بھائی۔"

"اوہ اچھا۔" انسپکٹر جمشید نے اس سے ہاتھ ملایا، پھر بولے۔

"مسٹر اکرام رشید! آپ کے خیال میں مرزا صاحب کو زہر کون دے سکتا ہے۔"

"اس گھر کا ہر فرد دے سکتا ہے، میں بھی اس گھر کا ایک فرد ہی ہوں، مجھ سمیت ہر شخص دے سکتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اکرام! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" مرزا طفیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بھائی صاحب! یہاں سب لوگ آپ کے دشمن ہیں اور آپ سب کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔"

"ہاں! اور میں کچھ غلط نہیں سمجھتا۔" مرزا طفیل نے کہا اور اکرام رشید تیز تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔

"آپ اس کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجیے گا، دل کا بہت اچھا ہے۔" مرزا طفیل بولے۔

"ہوں! میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور باہر نکل گئے۔

اسی وقت ایک ٹیکسی آندھی اور طوفان کی تیزی سے انہیں اپنی طرف آتی نظر

آئی، انہیں یوں لگا جیسے وہ ان پر چڑھ ہی دوڑے گی۔ انہوں نے جلدی سے مرزا طفیل کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف ہو گئے۔

☆☆☆
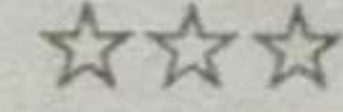
قتل

محمود اور فاروق عالم گیر کے گھر کے سامنے ٹیکسی سے اترے، انہوں نے دیکھا، گھر کا دروازہ کھلا پڑا تھا اور اندر گہری خاموشی تھی۔

''فاروق! میرا خیال ہے، اندر کوئی حادثہ ہو چکا ہے۔'' محمود نے گھبرا کر کہا۔

''اللہ رحم کرے، تم یہ بات ان حالات میں کہہ رہے ہو، جب فرزانہ بھی اندر موجود ہے۔'' فاروق بولا۔

''ابھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔'' محمود بولا۔

''خیر! چلو دیکھتے ہیں، یہ بات ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔''

دونوں اندر داخل ہوئے، صحن میں پہلے کمرے میں انہیں کچھ بھی دکھائی نہ دیا تو ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی بند تھا، جونہی وہ اندر داخل ہوئے، ان کے اوسان خطا ہو گئے، فرزانہ اور ایک دوسری لڑکی فرش پر بے ہوش پڑی تھیں۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فرزانہ یہاں فرش پر سونے آئی تھی۔'' فاروق بوکھلا کر کہا۔

''بے تکی باتیں کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔'' محمود نے جھلا کر کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں، یہ دونوں صرف بے ہوش ہیں۔'' فاروق نے بھی تلملا کر کہا۔

''اچھا اچھا! ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں آئے، آؤ انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔''

دونوں نے انہیں بلایا جلایا، غسل خانے سے پانی لا کر ان کے چہروں پر چھینٹے دیے، تب کہیں جا کر پہلے فرزانہ نے آنکھیں کھولیں۔

''کک..... کیا وہ چلے گئے۔'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''کک کون؟'' فاروق نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا اور فرزانہ کو غصہ آ گیا، لیکن وہ غصے کو پی کر بولی۔

''وہ دو تھے... جابر اور تنویر ان کے نام تھے، یہاں کچھ کاغذات کی تلاش میں آئے تھے۔''

''ہم نے تو یہاں تم دونوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔'' فاروق نے بدستور عمرانہ کو ہلاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت وہ بھی ہوش میں آ گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں گھورنے لگی۔ فرزانہ کو دیکھ کر اس نے گہرے اطمینان کا سانس لیا اور پھر فرزانہ جلدی جلدی انہیں پوری تفصیل بتانے لگی۔

''اس کا مطلب ہے، ابھی تک عمرانہ کے ابو اور امی نہیں پہنچے اور وہ لوگ کاغذات تلاش کر کے جا چکے ہیں۔'' فاروق نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ تو انکل عالم گیر کا انتظار کر رہے تھے، کاغذات تو وہ میرے آنے سے پہلے ہی تلاش کر چکے تھے اور وہ انہیں نہیں ملے تھے۔'' فرزانہ بولی۔

''کیا کہا!.... وہ ان کے ابو کا انتظار کر رہے تھے.... تب پھر وہ چلے کیوں گئے۔'' محمود زور سے چونکا۔

''اوہ محمود... اوہ!'' فاروق بڑبڑایا۔

''یہ کیا بات ہوئی، اوہ محمود اوہ!'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''دیکھو۔ اس وقت میں سو فی صد سنجیدہ ہوں اور تم یہ خیال کر رہی ہو کہ مذاق کر رہا ہوں۔'' فاروق نے جھنجھلا کر کہا، فرزانہ نے اسے بغور دیکھا تو وہ واقعی سنجیدہ نظر آیا، اس نے پھر فکر مند ہو کر پوچھا۔

''میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ کہیں وہ دونوں ابھی تک یہیں نہ ہوں۔''

''اوہ!'' محمود اور فرزانہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

''فرزانہ اس نے تمہیں کس طرح بے ہوش کیا تھا۔'' محمود نے چونک کر پوچھا۔

''میں ان میں سے ایک کی ٹانگوں میں الجھ کر گر پڑی، بس اسی وقت اس نے پاؤں کی ٹھوکر میرے سر پر دے ماری تھی۔'' فرزانہ نے بتایا اور اپنے سر کو ٹٹولنے لگی، وہاں ایک بڑا سا گولہ ابھر آیا تھا۔

''تم فلر نہ کرو، ہم بھی ان دونوں کے سروں پر اتنی ٹھوکریں ماریں گے کہ کیا کبھی انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہوں گی۔'' محمود نے غصے میں آ کر کہا، پھر فاروق بولا۔

''آؤ فاروق! انہیں دیکھیں۔''

''ارے! میرا کلپ کہاں گیا۔'' فرزانہ نے ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔

''تمہارے پاس کلپ بھی تھا، پھر بھی تم ان دونوں سے مار کھا گئیں۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''کلپ تو میں ہر وقت بالوں میں لگا کر رکھتی ہوں، جب ضرورت پڑتی ہے، اتار لیتی ہوں، یہاں داخل ہونے سے پہلے میں نے وہ ہاتھ میں لے بھی لیا تھا،

لیکن پھر اسے استعمال نہ کیا، میرا خیال تھا کہ میں اس کے بغیر ہی ان دونوں کو چکرا کر رکھ دوں گی۔''

''اور وہ تمہیں چکرا کر چل دیے، آؤ محمود انہیں دیکھیں، ہمیں ان سے فرزانہ کا کلپ بھی وصول کرنا ہے اور ٹھوکر کا ادھار بھی چکانا ہے۔''

''بالکل ٹھیک .... تم دونوں یہیں صوفوں پر آرام کرو، اگر ضرورت ہو تو ڈاکٹر کو فون کرلو۔''

یہ کہتے ہوئے دونوں باہر نکل آئے، انہوں نے احتیاط سے ایک ایک کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اور پھر جونہی وہ عالم گیر کے دفتر میں داخل ہوئے، دھک سے رہ گئے، ان کی آنکھیں خوف اور دہشت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کمرے کے فرش پر عالم گیر اوندھے پڑے تھے اور ان کے ارد گرد خون پھیلا ہوا تھا، ایک کونے میں بیگم عالم گیر بے ہوش پڑی تھیں، ان کے سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا۔

☆☆

انہوں نے دیکھا، ٹیکسی ان پر چڑھ دوڑنے کے لیے ان کی طرف نہیں آرہی تھی، بلکہ اس کی منزل مرزا طفیل کی کوٹھی ہی تھی، جونہی وہ رُکی محمود اس میں سے چھلانگ مار کر اُترا۔

''عالم گیر صاحب کو قتل کیا جا چکا ہے۔'' اس نے اترتے ہی پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''اوہ! لیکن تم یہاں کیوں دوڑے آئے، تمہیں وہاں رُکنا چاہیے تھا، مجھے فون کر سکتے تھے۔''

''قاتل جاتے ہوئے ٹیلیفون کے تار کاٹ گئے ہیں۔''

''تب پھر ٹھہرو، میں یہاں سے متعلقہ اسٹاف کو فون کر دوں۔'' انہوں نے کہا اور واپس مڑے، مرزا طفیل اس طرح کھڑے تھے، جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، آنکھوں میں بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔

''میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے'' آخر ان کے منہ سے نکلا۔

''کوئی بہت گہرا چکر چل رہا ہے، اب آپ فوراً مجھے یہ بتادیں کہ آپ کی وصیت کیا ہے، کیونکہ عالم گیر تو چل بسے، شاید قاتل آپ کا وصیت نامہ بھی لے گئے ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اندر آئے اور ادھر ادھر فون کرنے لگے، پھر مرزا طفیل کی طرف متوجہ ہوئے، وہ اس کا مطلب سمجھ کر بولے۔

''میں نے اپنی کل نقد جائیداد میں سے نصف سے ایک مسجد تعمیر کرانے کی وصیت کی ہے، مسجد کے لیے زمین پہلے ہی خریدی جا چکی ہے، اس کے بعد میری تمام دولت میں سے پچاس ہزار روپے میں عالم گیر وکیل کے ان کی خدمات کے صلے میں لکھوائے تھے، باقی تمام دولت کارخانے اور تینوں کوٹھیوں کا مالک میرا بھائی شرجیل ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے، انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے، آخر وہ چونکے اور بولے۔

''کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیے، کوئی چیز نہ کھائیں پئیں، اور رات کو گھر میں ہرگز نہ ٹھہریں، میں ابھی آپ کو حفاظت کے لیے اپنے اسسٹنٹ اکرام کو بھیجتا ہوں، وہاں سے فارغ ہو کر ہم سب بھی یہیں آجائیں گے۔''

''ب.... بہت بہتر!'' مرزا طفیل نے ہکلا کر کہا، ان کے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے محمود کو ساتھ لیا، باہر نکلے ہی تھے کہ اکرام جیپ لے کر

آ پہنچا، انہوں نے اکرام کو تو وہیں چھوڑا اور خود جیپ لے کر محمود کے ساتھ عالم گیر کے
ہاں پہنچے، یہاں پولیس پہنچ چکی تھی، لاش ابھی تک جوں کی توں پڑی تھی، بیگم عالم گیر کو
ہسپتال پہنچایا جا چکا تھا۔

اب انگلیوں کے نشانات وغیرہ اٹھانے جا رہے تھے انسپکٹر جمشید سیدھے
فرزانہ کے پاس آئے۔

"ان دونوں کے حلیے بتاؤ اور نام بھی۔"

"نام جابر اور تنویر تھے، دونوں پتلے دبلے اور لمبے قد کے تھے۔"

"اور ان کے بال؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان دونوں کے بال بالکل سیاہ تھے۔" فرزانہ نے یاد کر کے کہا۔

"کوئی خاص بات بتاؤ، یہ تو بہت عام حلیے ہیں۔"

"ان میں سے ایک کی ناک پر زخم کا چاند کی شکل کا نشان تھا۔" فرزانہ نے
سوچتے ہوئے کہا۔

"ہوں! فائلیں دیکھنا پڑیں گی، شاید وہ میک اپ میں تھے۔" انسپکٹر
جمشید بڑبڑائے۔

کارروائی مکمل ہونے کے بعد وہ سب مرزا طفیل کے گھر آ گئے، اس وقت
تک یہاں تک شرجیل بھی آ گیا تھا، اسے عالم گیر کے قتل کی خبر مل گئی تھی اور اس کے بعد
وہ کارخانے میں نہیں رک سکا تھا، وہ بھی فکر مند تھے، یوں لگتا تھا جیسے موت ان سب
کے سروں پر منڈلا رہی ہو، حالانکہ خطرہ اگر کسی کو تھا تو صرف اور صرف مرزا طفیل کو
سب انسپکٹر اکرام بھی موجود تھا۔

"آؤ فرزانہ تمہیں ایک خاص چیز دکھاؤں۔" انسپکٹر جمشید پُراسرار لہجے
میں بولے۔

سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، انہوں نے اگرچہ صرف فرزانہ
سے کہا تھا، لیکن محمود اور فاروق بھی ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، وہ انہیں لے کر مرزا طفیل
کے کمرے میں آئے، یہاں آتش دان پر اس تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس تصویر کے نیچے آتش دان پر پڑی چیز کو دیکھو۔"

فرزانہ نے جونہی بال پوائنٹ پنسل کو دیکھا، اس کی آنکھیں مارے حیرت
کے پھیل گئیں، پھر اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ..... یہ..... یہ....."

"بس ٹھیک ہے، یہ سے آگے کچھ نہ کہنا.... کہیں جملہ مکمل نہ ہو جائے۔"
فاروق نے کہا۔

"یہ بال پوائنٹ دراصل فرزانہ کا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"کیا!!!" محمود اور فاروق چلا اٹھے، ان کی نظریں فرزانہ پر جم گئیں، وہ
خود بھی کچھ کم حیران نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر اس کے لب ہلے۔

"یہ پنسل مجھے تحفے کے طور پر میری ایک سہیلی نے دی تھی، کل اسکول میں
یہ عمرانہ نے مجھ سے لے لی تھی، لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ یہاں کس طرح پہنچ گئی۔"

"کم از کم یہ خود بخود تو پہنچی نہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! کیونکہ ابھی اس کے پر نہیں نکلے۔" محمود بولا۔

"میں خود حیران ہوں، کیوں نہ عمرانہ کو بلا کر پوچھا جائے۔" فرزانہ بولی۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ عمرانہ اور اس کی امی کو بھی اپنے ساتھ ہی لے آئے تھے، کیونکہ عالم گیر
کے عزیز رشتے دار ابھی گھر نہیں پہنچے تھے، ظاہر ہے، اسے تنہا گھر میں نہیں چھوڑا جا سکتا

تھا۔ اس کی امی ہسپتال سے آگئی تھیں۔

"تو میں اسے لاتی ہوں۔"

فرزانہ نے کہا اور چلی گئی، واپس آئی تو عمرانہ اس کے ساتھ تھی، انہوں نے اس کی توجہ پنسل کی طرف دلائی، آنسو بہاتی آنکھوں میں بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔

"یہ مجھ سے ابا جان نے لے لی تھی، میں نہیں جانتی، یہاں کس طرح پہنچی۔" آخر اس نے کہا۔

"آؤ چلیں۔" انہوں نے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ فرزانہ ان کے ساتھ نہیں آئی تھی، آتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے پنسل وہیں چھوڑ دی تھی، انہیں آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

"آج یہاں کسی وقت عالم گیر مرحوم آئے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" مرزا طفیل نے حیران ہو کر کہا۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا۔"

"آتش دان پر جو پنسل پڑی ہے، وہ دراصل فرزانہ کی ہے، فرزانہ سے وہ پنسل عمرانہ نے لی اور عمرانہ سے عالم گیر مرحوم نے، سوال یہ ہے کہ پنسل یہاں آتش دان پر کیسے آئی۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"واقعی حیرت کی بات ہے۔" اکرام رشید نے کہا۔

"ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک آدمی کا کام ہے، یا ایک سے زائد کا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس پنسل کا قتل والے معاملے سے کیا تعلق۔" شرجیل نے کہا۔

"تعلق ہی تو معلوم کرنا ہے، میں ذرا دو ایک فون کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ

کھڑے ہوئے۔

فون کر کے واپس آئے تو فرزانہ بھی انہیں آتی نظر آئی، اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"ابا جان! میرا سر چکرا رہا ہے۔"

"اوہو.... کیا ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"ہاں! جلدی ڈاکٹر کو بلائیں۔" اس نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں، وہ سب بوکھلا گئے، ادھر انسپکٹر جمشید اپنے ڈاکٹر کو فون کر کے آئے، ادھر فرزانہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا، محمود تیزی سے اس کی طرف بڑھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے سنبھالتا، وہ چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

وہ بوکھلا کر اس کی طرف جھپٹے۔

☆☆☆

اردو سے پیدل

ڈاکٹر انصاری فرزانہ کا معائنہ کر رہے تھے اور وہ سب خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے، آخر انہوں نے معائنہ مکمل کرنے کے بعد اسے ایک انجکشن دیا، پھر ان کی طرف منہ کر کے بولے۔

''فرزانہ کو زہر دیا گیا ہے۔''

''نہیں!!'' محمود اور فاروق چیخ اُٹھے، ان کے چہرے ست گئے، ڈاکٹر انصاری نے ان پر ایک نظر ڈالی اور بولے۔

''خون میں نے لے لیا ہے، اس کے تجزیے کے بعد معلوم ہو سکے گا کہ زہر کتنی مقدار میں دیا گیا ہے اور فرزانہ کس حد تک خطرے میں ہے، ویسے میرا خیال ہے کہ خطرے سے باہر ہے اور آدھ گھنٹے تک ہوش میں آجائے گی، انجکشن زہر کا اثر بڑی حد تک ختم کر دے گا۔''

''کیا آپ کو بھی اسی طرح چکر آتے رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے مرزا طفیل سے پوچھا۔

''ہاں! میں جب بھی بے ہوش ہوا، پہلے زور کا چکر ضرور آیا۔'' انہوں نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے، فرزانہ کو بھی وہی زہر دیا گیا ہے، جو آپ کو دیا جا رہا ہے، لیکن ہمارے سامنے فرزانہ نے کچھ نہیں کھایا، مرزا صاحب کا کہنا بھی یہی ہے کہ

انہوں نے یہاں کچھ کھانا پینا کئی دنوں سے چھوڑ رکھا ہے، اس کے باوجود ان کے خون میں زہر کی تعداد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور اب فرزانہ بھی زہر کا شکار ہو گئی ہے، ڈاکٹر صاحب کیا کوئی زہر سانس کے ذریعے بھی دیا جاتا ہے۔'' انہوں نے اچانک سوال کیا۔

''جی ہاں! بہت سے زہر سانس کے ذریعے بھی دیے جاتے ہیں، کچھ زہر ہوتے ہی گیس کی صورت میں ہیں۔'' ڈاکٹر انصاری بولے۔

''تو پھر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مرزا طفیل صاحب کو زہر گیس کی صورت میں دیا جا رہا ہے اور فرزانہ اتفاق سے اس جگہ چلی گئی، جہاں زہر گیس کی صورت میں موجود تھا۔'' انہوں نے پر یقین کے لہجے میں کہا۔

''ابا جان!'' محمود چونکا، انہوں نے فوراً اس کی طرف دیکھا، تو وہ بولا۔ ''فرزانہ ابھی ابھی مرزا صاحب کے کمرے میں گئی تھی، اس کے علاوہ تو تمام وقت ہمارے ساتھ ہی رہی ہے۔''

''تب پھر زہر خود مرزا طفیل صاحب کے کمرے میں موجود ہے اور میرا یہ خیال ٹھیک تھا کہ ان کا یہاں رات گزارنا بہت خطرناک ہے، اکرام تم فوراً عملے کے لوگوں کو یہاں بلا لو، ان کے پاس گیس ماسک بھی ہونے چاہئیں، ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ زہر اس کمرے میں کہاں ہے۔''

''جی بہت اچھا۔'' اکرام نے کہا اور فون کرنے کے لیے برآمدے میں چلا گیا۔

حالات نے خوفناک صورت اختیار کر لی تھی، سب سے زیادہ خراب حالت مرزا طفیل کی تھی، فرزانہ کے بیہوش ہونے کا مطلب یہ تھا کہ مرزا طفیل بال بال بچے تھے اور ان کی جگہ فرزانہ لپیٹ میں آگئی تھی اور اگر کہیں رات مرزا طفیل اپنے کمرے میں گزار لیتے تو صبح یقیناً ان کی لاش ملتی۔

"اب معاملہ صاف ہو چکا ہے، قاتل کا مقصد آپ کو اور آپ کے وکیل کو ختم کرنا تھا، وکیل صاحب تو اس کے ہتھے چڑھ گئے، لیکن یہاں اس نے قتل زہر کے ذریعے کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور کافی پہلے ہی زہر کی معمولی سی مقدار دینی شروع کر دی تھی، تاکہ یہ آہستہ آہستہ موت کے گھاٹ اتر جائیں اور کسی کو پتا نہ چلے، لیکن شاید قاتل نے گھبراہٹ میں مقدار کا خیال نہیں رکھا اور انہوں نے تکلیف کو محسوس کر لیا، اس طرح یہ ڈاکٹر تک جا پہنچے اور ڈاکٹر نے ان کے خون کا تجزیہ کر کے یہ بتا دیا کہ انہیں زہر دیا جا رہا ہے، ورنہ ہوتا یہ کہ یہ خاموشی سے موت کی نیند سو جاتے اور ادھر وکیل صاحب کی وصیت کیا ہے، لہذا قدرتی طور پر.... اور قانون کی رو سے ساری جائیداد کے وارث انکے بھائی قرار دیے جاتے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے، ان کی نظریں شرجیل پر جم گئیں، یہ دیکھ کر شرجیل بوکھلا اٹھا، اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"کیا آپ کا اشارہ اس طرف ہے کہ وکیل صاحب کو میں نے قتل کیا ہے۔"

"نہیں! کم از کم آپ نے خود یہ کام نہیں کیا، ہم جانتے ہیں، انہیں ختم کرنے کے لیے کم از کم دو آدمی گھر کے اندر داخل ہوئے تھے اور اب اگر وہ دو آدمی ہمیں مل جائیں تو ہم ان سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کون تھا، جس نے انہیں وکیل عالم گیر کے قتل کا کام سونپا تھا.... ظاہر ہے، وہ کوئی پیشہ ور جرائم پیشہ تھے اور انہوں نے اس کام کا بھاری معاوضہ وصول کیا تھا، لیکن یہ بھاری معاوضہ دس لاکھ روپے کی جائیداد کے آگے بھلا کیا حقیقت رکھتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے

"اُف خدا! آپ تو مجھے قاتل بنا دینے پر تل گئے ہیں۔" شرجیل نے بوکھلا کر کہا۔

"اگر یہ جرم آپ نے نہیں کیا تو آپ ہی بتائیے، کس نے کیا ہے اور کون ایسا ہوگا جو یہ کام کر سکتا تھا، لیکن ہمیں اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے، اور ثبوت ہم بہت جلد حاصل کر لیں گے، میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ اس گھر سے بغیر اجازت باہر جانے کی کوشش نہیں کریں گے، اگر آپ نے اس قسم کی کوشش کی تو آپ کو فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔"

ان کے الفاظ ختم ہوئے ہی تھے کہ اکرام اندر داخل ہوا، اس نے کہا۔

"فون کر دیا گیا ہے، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔"

"بہت خوب! ان سے میں خود کام کرا لوں گا، تم فوراً کمرشل برانچ جاؤ اور وہاں سے پیشہ ور قاتلوں کی فائل لے آؤ، ہم دیکھیں گے کہ وہ دونوں کون تھے۔"

وہ سب دم بخود رہ گئے، شاید ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مرزا طفیل کے بھائی پر اتنا بڑا الزام بھی لگایا جا سکتا ہے، نہ جانے کتنے لمحے اسی عالم میں گزر گئے، یہاں تک کہ فرزانہ کو ہوش آ گیا۔

☆☆

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید مرزا طفیل کی کوٹھی کے ایک کمرے میں تھے، انہیں اکرام کا انتظار تھا، اس وقت تک مرزا طفیل کے کمرے کی تمام چیزوں کا جائزہ لے لیا گیا تھا، جائزہ لینے والوں میں لیبارٹری کا انچارج بھی تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ آدھ گھنٹے کے اندر اندر اپنی رپورٹ پیش کروں گا، ان کے جانے کے بعد ہی کمرے کو سیل کر دیا گیا تھا، لیبارٹری والوں نے مرزا طفیل کی تصویر پر سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھائے تھے۔

"اگر آج ہم نے اس کیس کو حل نہ کیا تو مرزا طفیل کی زندگی سخت خطرے میں پڑ جائے گی، قاتل یہ سمجھ لے گا، کہ ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"لیکن آپ مسٹر شرجیل پر شک کا اظہار کر تو چکے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! کر چکا ہوں، میرے خیال میں اس کیس میں اگر کوئی مجرم ہو سکتا ہے تو وہ شرجیل ہی ہے، کیونکہ اور کسی کے پاس اس سے زیادہ مضبوط وجہ موجود نہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں، تم دونوں نے جس آدمی کو بدحواسی کے عالم میں یہاں سے نکلتے دیکھا تھا؛ ابھی تک اس کا بھی کوئی پتہ نہیں لگ سکا وہ کون تھا، حالانکہ کیس سے متعلق تمام آدمیوں کو تم دیکھ چکے ہو۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اس وقت میک اپ میں ہو، یا وہ کوئی غیر متعلق آدمی ہو اور اندر گڑبڑ دیکھ کر بھاگ نکلا ہو۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے، یہاں پھر فرزانہ کی پنسل آڑے آجاتی ہے، کیا تم بتا سکتے ہو پنسل یہاں کس طرح آ گئی۔"

"جس کی پنسل ہے، وہ تو بتا نہیں سکتی، ہم بے چارے کیا بتائیں گے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"یہ بات تو ثابت ہے کہ پنسل عالم گیر وکیل کے پاس تھی، وہی سب سے آخری آدمی تھے جن کے پاس پنسل پہنچی تھی، کہیں ایسا تو نہیں کہ عالم گیر صاحب یہاں آئے ہوں۔"

"لیکن مرزا طفیل اور گھر کے دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ وہ آج یا کل یہاں نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرض کیجیے، وہ اس وقت یہاں آئے ہوں جب مرزا طفیل آپ کے پاس پہنچے ہوئے تھے اور یہاں صوفیہ صاحبہ اور جانی بے ہوش پڑے تھے، مسٹر شرجیل کار خانے میں تھے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں! یہ ہو تو سکتا ہے، لیکن وہ ایک وکیل تھے، انہیں یہاں گڑبڑ دیکھ کر تو فوراً پولیس کو فون کرنا چاہیئے تھا، نہ کہ بھاگ جانا۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"اور پھر دونوں مجرموں کے بیان کے مطابق عالم گیر اور بیگم عالم گیر کسی عزیز سے ملنے گئے تھے، اگر مسٹر عالم گیر یہاں آئے بھی تھے تو اس بارے میں عمرانہ کی امی بتا سکتی ہیں۔"

"بہت خوب!" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔ "فرزانہ تم ذرا اپنی آنٹی کو تو یہاں بلا لاؤ۔" ان کے لہجے میں جوش تھا۔

فرزانہ گئی اور بیگم عالم گیر کو ساتھ لے آگئی۔ ان کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے، آپ کو تکلیف دی، آج آپ دونوں کس سے ملنے گئے تھے۔"

"ان کے دوست بیمار تھے، ان کی تیمار داری کے لیے آج انہوں نے چھٹی کی تھی، کیونکہ شام کو تو مؤکلوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔"

"جب آپ دونوں ان کے گھر گئے تو کیا تمام وقت وکیل مرحوم آپ کے ساتھ ہی رہے تھے۔" انہوں نے سوال کیا۔

"جی نہیں، وہ مجھے چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے کہیں گئے تھے اور یہ کسی جگہ جانا ان کے پروگرام میں پہلے ہی موجود تھا، گھر سے نکلتے وقت انہوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔" عمرانہ کی امی نے بتایا۔

"کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں جانا ہے۔"

"انہوں نے صرف اتنا کہا تھا کہ ایک مؤکل کچھ پریشان ہے، آج اس سے ملاقات ضروری ہے۔"

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، وہ یہیں آئے تھے، محمود کا خیال ہی ٹھیک تھا، لیکن یہ بات ہمیں مرزا طفیل نے کیوں نہیں بتائی کہ آج ان کے آنے کا پروگرام تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، پھر عمرانہ کی امی کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

"آپ ذرا مرزا صاحب کو بھیج دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور چلی گئیں، جلد ہی مرزا طفیل اندر داخل ہوئے۔

"آپ نے ہمیں یہ بات نہیں بتائی کہ آج عالم گیر صاحب کی آپ سے ملاقات طے تھی۔" انسپکٹر جمشید نے ان کے آتے ہی کہا۔

"یہ آپ سے کس نے کہا؟" وہ چونک کر بولے۔

"عالم گیر صاحب کی بیوی نے انہیں مرحوم نے یہ بتایا تھا، اگرچہ آپ کا نام نہیں لیا تھا، لیکن بال پوائنٹ پنسل کی یہاں موجودگی کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں آئے تھے۔" انہوں نے کہا۔

"اگر وہ یہاں آئے تھے تو مجھے نہیں ملے۔" مرزا طفیل بولے۔

"ہوں! اب سوال یہ ہے کہ وہ یہاں کس وقت آئے، پنسل آتش دان پر کیوں چھوڑ گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔" فرزانہ چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔

"خدا کا شکر ہے کہ کسی کی سمجھ میں تو کوئی بات آئی، ورنہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اس کیس میں کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئے گی۔" فاروق نے اطمینان کا سانس لیا۔

"پہلے سن تو لو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"عالم گیر صاحب یہاں عین اس وقت آئے جب دونوں حملہ آور صوفیہ صاحبہ

اور جانی کو بے ہوش کر کے باندھ چکے تھے، انہیں دروازہ کھلا ملا، وہ اندر داخل ہوئے اور انہیں بے ہوش دیکھ کر گھبرا گئے، ادھر دونوں حملہ آور وصیت نامہ تلاش کرنے کے سلسلے میں اندر جا چکے تھے، عالم گیر صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ حملہ آور ابھی اندر موجود ہیں، وہ یہ سوچ کر کہ شاید مرزا طفیل بھی حادثے کا شکار ہو چکے ہیں، ان کے کمرے میں آئے، لیکن یہاں وہ موجود نہ تھے، اچانک انہیں گھر میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، وہ بدحواس ہو کر بھاگے، گھبراہٹ میں ان سے بال پوائنٹ پنسل گر گئی اور ان کے جانے کے بعد حملہ آوروں نے شرارتاً یا جان بوجھ کر معاملے کو اُلجھانے کے لیے پنسل آتش دان پر رکھ دی، عالم گیر صاحب یہاں سے سیدھے اپنے دوست کے گھر پہنچے، بیگم کو ساتھ لیا اور اپنے گھر پہنچ گئے، انہوں نے سوچا ہوگا کہ گھر پہنچتے ہی پولیس کو فون کریں گے، لیکن یہاں دونوں حملہ آور ان سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے، کیونکہ ان کا پروگرام پہلے ہی طے تھا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"تمہاری بات میں وزن تو ہے، کیونکہ پینسل کی یہاں موجودگی کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر مرزا صاحب! آپ جا سکتے ہیں، ہم بہت جلد کسی نتیجے پر پہنچنے والے ہیں، آپ فکر نہ کریں۔"

"بہت بہت شکریہ!" مرزا طفیل نے کہا اور چلے گئے، ابھی انہیں گئے چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ اکرام فائل اٹھائے اندر داخل ہوا، اس نے فائل ان کے سامنے رکھ دی۔

"فرزانہ! دونوں قاتلوں کو تم نے بہت اچھی طرح دیکھا ہے، اگر وہ میک اپ میں بھی تھے، تب بھی انہیں پہچاننے کی کوشش کرو، یہ بہت ضروری ہے، ورنہ ہم شاید کبھی اصل بات معلوم نہ کر سکیں گے۔"

''میں پوری کوشش کروں گی۔'' فرزانہ بولی اور فائیل پر جھک گئی۔

''فرزانہ کے ساتھ ان دونوں کو صوفیہ صاحبہ اور جانی نے بھی تو دیکھا تھا، کیوں نہ فائل انہیں بھی دکھائی جائے۔'' محمود نے تجویز پیش کی۔

''اول تو ہم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ دونوں حملہ آور وہی تھے جنہوں نے یہاں بھی واردات کی تھی، دوسرے یہ کہ صوفیہ صاحبہ اور جانی کی نظر فرزانہ کی طرح تیز نہیں ہو سکتی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''تو کیا اس کا بھی امکان ہے کہ یہاں حملہ آور اور تھا اور وہاں والے اور۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں! اس کا امکان ہے، کیونکہ یہاں داخل ہونے والا ایک آدمی تھا اور دوسری طرف دو آدمی۔''

فرزانہ نے انتہائی غور سے پیشہ ور مجرموں کی تصویروں کو دیکھنا شروع کیا، وہ ایک ایک تصویر پر کئی منٹ لگا رہی تھی۔

''اس طرح تو تم بہت دیر لگا دو گی۔'' فاروق نے اُکتا کر کہا۔

''تو تم کیا چاہتے ہو، میں ان تصویروں کو سرسری نظر سے دیکھوں اور کہہ دوں کہ ان تصویروں میں سے ان سے کوئی تصویر نہیں ملتی۔'' فرزانہ جل کر بولی۔

''نہیں! تم پورے غور سے دیکھو، اگر تم نے ان میں سے کسی کو پہچان لیا تو ہم کامیابی کے بہت جلد نزدیک پہنچ جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''آپ فکر نہ کریں ابا جان! مجھے اس بات میں گھنٹوں بھی لگ گئے تب بھی میں نہیں اُکتاؤں گی۔'' فرزانہ مسکرا کر بولی۔

اسی وقت لیبارٹری اسسٹنٹ اندر داخل ہوا اور اس نے ایک رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی، انسپکٹر جمشید اس کا مطالعہ کرنے لگے۔

''بھئی فاروق! میں ایک بات بہت شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔''

''خدا کا شکر ہے کہ تم صرف ایک بات شدت سے محسوس کر رہے ہو، جب کہ میں تو کئی باتیں بہت شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔'' فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور یہ بات شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ اس کیس میں تو ابا جان کام کر رہے ہیں یا فرزانہ، ہم دونوں تو بالکل بے کار ہو کر رہ گئے ہیں، کیوں نہ ہم بھی کوئی تیر مارنے کی کوشش کریں۔''

''یہی تو مصیبت ہے، میرے پاس نہ تیر ہے، نہ کمان، اب تیر ماروں تو کیسے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی میں محاورے والے تیر کی بات کر رہا ہوں۔'' محمود بے چارگی کے عالم میں مسکرایا۔

''اوہ! تو تم محاورۃً تیر مارنا چاہتے ہو، میں ایسے تیروں کا بہت ماہر ہوں، آؤ چلیں، ہم ضرور کوئی نہ کوئی چاند چڑھا کر دکھائیں گے۔'' اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

میرے خیال میں تو تم ایک پتنگ بھی نہیں چڑھا سکتے، چاند تو دور کی بات ہے۔'' فرزانہ نے فائل پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُردو سے تم بھی پیدل ہو۔''

''عقل سے پیدل ہونا تو سنا اور پڑھا تھا، لیکن اُردو سے پیدل ہونا کبھی نہیں سُنا۔'' فرزانہ بولی۔

''آؤ بھئی، یہ چاہتی ہے، ہم کوئی تیر نہ مار سکیں اور یہ اکیلی ہی اکیلی ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔'' فاروق نے کہا۔

''اوہ ہاں! بالکل ٹھیک۔'' محمود بولا اور دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے۔

انسپکٹر جمشید ان کے اقدام پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، پھر اچانک رپورٹ میں انہیں ایک ایسی بات نظر آئی کہ وہ حیران رہ گئے، ادھر فرزانہ کے منہ سے پُر جوش انداز میں نکلا۔

"اوہ ابا جان! میں نے ان میں سے ایک کو پا لیا۔"

"بہت خوب! ذرا دکھانا تو۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے، فرزانہ نے فائل ان کے سامنے رکھ دی، ان کے ساتھ اکرام بھی تصویر پر جھک پڑا۔

"فرزانہ کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ ان میں سے ایک یہی تھا۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! یہ تصویر دیکھنے کے بعد میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ان میں سے ایک یہی تھا اور تھا بھی میک اپ میں۔"

"اوہ! اکرام جلدی کرو، کہیں یہ نکل نہ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے تیز آواز میں کہا۔

عین اسی وقت انہوں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی، اس کے ساتھ ہی باہر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆

پستول کہا تھا

"شاید تم نہیں جانتے فاروق! میں تمہیں کوٹھی سے باہر نکال کر لایا ہوں۔" محمود نے باہر آ کر کہا۔

"چلو تو بتا دو۔" اس نے کہا۔

"ہم نے عالم گیر کا چہرہ غور سے نہیں دیکھا تھا نہ یہ سوچا تھا کہ کہیں یہ وہ تو نہیں جسے ہم نے مرزا طفیل کے گھر سے نکلتے دیکھا ہے، لہٰذا اگر ہم ہسپتال میں چل کر اسے غور سے دیکھ آئیں تو یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ وہی تھے جو مرزا صاحب کے گھر سے بدحواسی کے عالم میں نکلے تھے۔"

"بات تو تمہاری بہت معقول ہے، ٹھیک ہے چلو۔"

دونوں نے ایک ٹیکسی لی اور ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ویسے اس موقعے پر میں ایک بات کہوں تو بُرا تو نہ مانو گے۔" فاروق نے چند لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔

"ضرور کہو، ہسپتال پہنچنے تک ہمیں باتیں کرنے کے سوا کام بھی تو کوئی نہیں ہے۔" محمود مسکرایا۔

"ابا جان! فرزانہ کے نظریے کو درست مان چکے ہیں، اور اس نظریے کے مطابق مرزا صاحب کے ہاں آنے والے عالم گیر ہی تھے، تو پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم

نے انہیں ہی باہر نکل کر بھاگتے دیکھا ہوگا۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور آدمی ہو۔" محمود نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"اور اگر وہ کوئی اور آدمی ہوا تو پھر لازمی طور پر وہ ہوگا، جس نے صوفیہ اور جانی کو بے ہوش کیا تھا۔" محمود نے کہا۔

"پھر یہ سوال پیدا ہو جائے گا کہ وہ پنسل آتش دان پر کہاں سے آئی۔" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی، اس کیس کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"اور ابھی تک مجرم کے خانے میں صرف ایک آدمی فٹ بیٹھتا نظر آتا ہے، شرجیل، لیکن مجھے تو وہ بہت شریف آدمی جان پڑتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"شکل صورت سے شریف نظر آنے والے بھی مجرم ہو سکتے ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے تو یہ سارا چکر خود مرزا طفیل کا چلایا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔" اچانک فاروق نے نئی بات کہی اور محمود چونک اٹھا۔

"اس کیس میں یہ بالکل نئی بات سننے میں آئی ہے اور شاید تمہارے سوا کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی ہوگی۔"

"کیوں! کیا یہ نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"پہلے یہ بتاؤ، مرزا طفیل کیوں یہ چکر چلائے گا، وہ خود کو زہر کس طرح دے سکتا ہے، میرے حلق سے یہ بات کسی طرح نہیں اُترتی۔" محمود نے کہا۔

"یہ بات ہے، کوئی لقمہ نہیں جو تمہارے حلق سے نہیں اترتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر تم نے ایک بات کہی ہے تو اس کے لیے کوئی نظریہ بھی پیش کرو۔"

"ضرور، کیوں نہیں، میرا خیال ہے کہ مرزا طفیل کسی کو پھنسانے کے چکر میں ہیں۔"

"بات کچھ پلے نہیں پڑتی، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شاید تم عقل مرزا طفیل کی کوٹھی میں ہی چھوڑ آئے ہو۔" فاروق نے کچھ نہ کہا تو محمود پھر بول پڑا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میری بجائے تم عقل وہاں بھول آئے ہو، ذرا سا غور کرو، فرض کرو، انہیں اپنے بھائی سے شدید قسم کی نفرت ہو گئی ہے، وہ اس سے پیچھا چھڑانے پر تل گئے ہیں، تو وہ کیا کریں گے، یہی کہ اپنی وصیت لکھوا دیں گے، اس میں سب سے زیادہ حصہ بھائی کے نام لکھوا دیں گے، تا کہ جب زہر والا معاملہ سامنے آئے تو ہر کوئی یہ سوچے کہ چھوٹے بھائی نے دولت کے لالچ میں یہ کام کیا ہے، کیوں کتنا مضبوط نظریہ ہے۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"میرے نزدیک اس میں مضبوطی نام کو بھی نہیں، کیونکہ ابھی تک یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوئی کہ مرزا صاحب اپنے چھوٹے بھائی سے نفرت کرتے ہیں، بلکہ معاملہ اس کے اُلٹ ہے، انہوں نے تو اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے، بھلا وہ کیوں اس سے نفرت کریں گے، وہ بھی اتنی شدید نفرت کہ اسے قتل کے کیس میں پھنسوا دیں گے، شاید آج تک تم نے اس سے زیادہ بکواس نظریہ کسی کیس میں پیش نہیں کیا ہوگا۔"

"تم نہ مانو لیکن انسان ایک ایسی عجیب وغریب ایجاد ہے، جس کے بارے میں کوئی یقین سے نہ آج تک کچھ کہہ سکا ہے، اور نہ کبھی کہہ سکے گا۔" فاروق بولا۔

"ہائیں! تم انسان کو ایجاد کہہ رہے ہو۔" محمود کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کیوں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی ایجاد نہیں ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"توبہ ہے تم سے بھی، کہاں تک پہنچ جاتے ہو۔"

"فی الحال تو ہم ہسپتال پہنچنے والے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

محمود نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا، سامنے ہی ہسپتال تھا، انہیں لاش والے کمرے میں پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی، کیونکہ بہت سے لوگ ان سے واقف تھے اور خود پوسٹ مارٹم کرنے والا عملہ ان سے بخوبی واقف تھا۔

لاش کا پوسٹ مارٹم ہو چکا تھا اور اب اسے واپس بھیجنے کی تیاری ہو رہی تھی، ٹرالی دھکیلنے والے ایک ملازم نے لاش کے چہرے پر سے کپڑا ہٹا کر انہیں چہرہ دکھایا۔ لاش کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا، آنکھیں بند تھیں اور اندر کو دھنس گئی تھیں، لیکن اس حالت میں بھی دونوں فوراً ایک ہی فیصلے پر پہنچے، عالم گیر وکیل وہ آدمی نہیں تھا جسے انہوں نے بدحواسی کے عالم میں مرزا طفیل کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا اور وہ چکرا کر رہ گئے، ان کا نظریہ دھرا کا دھرا رہ گیا، فرزانہ کا خیال بالکل غلط ثابت ہو گیا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اب پھر نئے سرے سے حالات اور واقعات کا جائزہ لینا تھا، اس وقت انہوں نے محسوس کیا، قاتل ابھی تک ان کی نظروں سے پوشیدہ تھا.... خدا جانے وہ کون تھا، کہاں تھا اور کیا چاہتا تھا۔

"یار! ہم تو کوئی تیر مار نہیں سکے۔" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"دراصل یہ تیروں اور تلواروں کا زمانہ ہی نہیں ہے، اس میں ہمارا کیا قصور۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"اب کیا کریں، فرزانہ ہمارا خوب مذاق اڑائے گی۔"

"چلو اڑا لینے دو، ہمارا کیا جاتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس کیس میں ابھی تک ہم نے ایک بات کی طرف تو دھیان ہی نہیں دیا اور وہ

ہے آلۂ قتل، عالم گیر کو پستول کی گولی کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے، ان کے گھر میں کہیں کوئی پستول نہیں ملا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل پستول اپنے ساتھ لے گئے، لیکن لاش میں گولیاں تو ملی ہوں گی، اور ان گولیوں کو دیکھ کر ماہر یہ بتا سکتے ہیں کہ پستول کس قسم کا اور کون سے نمبر کا تھا، اب ہمارے پاس جو حضرات ایسے موجود ہیں جن پر قاتل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے، ہم ان سے سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان کے پاس کوئی پستول ہے، اگر ہے تو ہمیں دکھایا جائے اور یہ کہ ان کے پاس اس کا لائسنس بھی ہے یا نہیں، پستولوں کا معائنہ کرنے کے بعد اور ان سے گولیاں چلا کر دیکھنے کے بعد یہ بات فوراً معلوم ہو سکتی ہے کہ گولیاں اس پستول سے چلائی گئی ہیں یا نہیں اور اس طرح ہم ایک بار پھر کامیابی کے نزدیک پہنچ سکتے ہیں۔"

"بہت خوب! بہت شاندار۔ ہم ضرور یہی کریں گے.... گولیوں کی رپورٹ ابا جان کے پاس پہنچ ہی چکی ہوگی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر آؤ چلیں۔" محمود بولا اور دونوں مرزا طفیل کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ انسپکٹر جمشید اور فرزانہ موجود نہیں ہیں اور اکرام ٹیلی فون کے پاس تنہا کھڑا تھا۔

"کیا ٹیلی فون سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا، اکرام اور محمود بے ساختہ ہنس پڑے۔

"قاتل گھر میں موجود ہے، فائل کے ذریعے ہمیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ اس نے کرائے کا کون سا قاتل حاصل کیا تھا، اس نے بھی ہماری باتیں سن لیں، لہذا انسپکٹر صاحب مجھے یہاں کھڑا کر گئے کہ وہ اسے خبردار نہ کر سکے۔"

"لیکن فون تو وہ گھر سے باہر جا کر بھی کر سکتا ہے۔" محمود بولا۔

"گھر سے باہر کانسٹیبل موجود ہیں، کوئی بھی گھر سے باہر نکلا، اس کا تعاقب کیا جائے گا اور اگر اس نے فون کرنے کی کوشش کی تو اسے چیک کیا جائے گا۔" اکرام نے بتایا۔

"بہت خوب! بڑا پختہ انتظام ہے، اچھا انکل گولیوں کی رپورٹ آ گئی ہے۔"

"ہاں! اندر والے کمرے میں موجود ہے۔"

"بہت خوب! وہ کیا کہتی ہے۔" فاروق نے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ وہ ۳۸. پستول کی ہے۔" اکرام مسکرایا۔

"بہت خوب! کیا یہاں کسی کے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا پستول ہے۔"

"ابھی تک یہ معلوم نہیں کیا گیا، ادھر رپورٹ موصول ہوئی ادھر فرزانہ نے تصویر شناخت کر لی، لہذا وہاں جانا پڑ گیا، انسپکٹر صاحب فرزانہ کو ساتھ لے جانے کے حق میں نہیں تھے، مگر وہ نہیں مانی۔"

"خیر کوئی بات نہیں، یہ بات ہم معلوم کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم میں آئے، یہاں سب سوچ میں گم بیٹھے تھے، عمرانہ اور اس کی والدہ چلی گئی تھیں، کیونکہ ان کے عزیز پہنچ گئے تھے۔

"حضرات! آپ سب سے ایک سوال ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا آپ میں سے کسی کے پاس کوئی پستول بھی ہے، اگر ہے تو مہربانی فرما کر ہمیں دکھا دیا جائے، کیونکہ اس کیس میں کسی پستول کی بہت ضرورت ہے۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"پستول!" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں پستول! آپ جانتے ہی ہیں، پستول کیا ہوتا ہے، کس قسم کا ہوتا ہے۔" فاروق بولا۔

"میرے پاس ایک پستول ہے۔" شرجیل نے اعلان کرنے والے انداز میں

کہا، اور میرے پاس اس کا لائسنس بھی ہے، لیکن..... آج تک اس کے چلانے کی نوبت نہیں آئی، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ہم اس پستول کو دیکھنا چاہتے ہیں، کیا ان کے علاوہ کسی اور کے پاس بھی پستول ہے۔" محمود نے پوچھا۔

کوئی کچھ نہ بولا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے اور کسی کے پاس پستول نہیں ہے، یہ دیکھ کر محمود نے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر پستول ہمیں نکال کر دکھا دیں۔"

"آخر آپ وہ کس لیے دیکھنا چاہتے ہیں؟" شرجیل نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ گولی اس پستول سے تو نہیں چلائی گئی۔"

"اوہ تو یہ بات ہے، آئیے میرے ساتھ، میں آپ کو دکھا دوں۔" یہ کہہ کر شرجیل اٹھ کھڑا ہوا، تینوں اس کے کمرے میں پہنچے، کسی اور نے ان کے ساتھ آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شرجیل نے اپنی الماری کھولی، اس میں تالا لگا ہوا نہیں تھا، الماری میں ایک چھوٹا سا خانہ نظر آیا، جو دراز کی صورت میں کھل گیا، فوراً ہی شرجیل کا رنگ اڑتا نظر آیا، اس کے منہ سے نکلا۔

"ارے پستول کہاں گیا؟"

"تو پستول اس خانے میں رکھا رہتا تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں!" وہ بولا۔

"بہت خوب! اب ذرا مرزا طفیل صاحب کو یہیں بلا لائیے، ہم ان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور بوکھلایا ہوا سا کمرے سے نکل گیا۔

"معلوم ہوتا ہے، ہم بہت جلد کوئی خاص بات معلوم کرنے والے ہیں، حیرت ہے ہم نے اب تک اس طرف توجہ کیوں نہ دی۔" محمود نے کہا۔

"جلد یا بدیر یہ پہلو بھی سامنے آنا ہی تھا۔" فاروق نے کہا۔

"ابھی ابھی مجھے ایک اور خیال سوجھا ہے، اور وہ یہ کہ کہیں عالم گیر کے قتل کا اس گھر سے بالکل کوئی تعلق ہی نہ ہو اور ہم بالکل غلط راستے پر چلے جا رہے ہوں۔" محمود نے اچانک کہا۔

"نہایت غلط خیال سوجھا ہے، اگر یہ بات ہے تو فرزانہ کی پنسل یہاں کیسے پہنچ گئی۔" فاروق بولا۔

"اوہ ہاں! فرزانہ کی پنسل کو تو میں بھول ہی گیا، واقعی اگر پنسل یہاں نہ ملی ہوتی تو ہم ان وارداتوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق ہی خیال کرتے رہتے۔" محمود نے سر ہلایا، اسی وقت مرزا طفیل اندر داخل ہوئے۔

"آپ کے بھائی شرجیل کا پستول غائب ہے، ہم اس گھر کے ہر کمرے کی تلاشی لینا چاہتے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں، ویسے ہم جس کے کمرے کی تلاشی لیں گے اسے ساتھ لیں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مرزا طفیل بولے۔

"شکریہ! تو پھر آئیے..... سب سے پہلے ہم آپ کے کمرے کی ہی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟ میرے کمرے کی بھی؟" مرزا طفیل کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرت در آئی۔

"جی ہاں! یہی ہمارا اصول ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ قاتل نے پستول آپ

کے کمرے میں چھپا دیا ہو۔"

"چلیئے! میں آپ کو اپنا کمرہ..... لیکن اس کمرے کو تو سیل کیا جا چکا ہے، وہ تو زہر آلود ہے۔"

"ارے ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے، خیر اس کمرے کی تلاشی بھی بعد میں لے لیں گے، اب ہم پہلے جانی کے کمرے کو دیکھیں گے۔ آپ مسٹر جانی کو یہاں بھیج دیں۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" مرزا طفیل نے کہا اور کمرے سے چلے گئے۔

"کیا تم واقعی یہ بات بھول گئے تھے کہ ان کا کمرہ سیل کیا جا چکا ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں! یہ بات مجھے اچھی طرح یاد تھی، میں ذرا ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا، تم نے دیکھا، وہ کتنے زور سے چونکے تھے۔"

"ہاں! لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ....."

فاروق کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے، جانی حیرت زدہ سا چلا آ رہا تھا۔

"چلیئے جانی بابا، ہم آپ کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔"

"لیکن میرا کمرہ تو انسپکٹر صاحب پہلے ہی دیکھ چکے ہیں..... انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کسی زمانے میں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور میرا نام جاتو تھا، انہوں نے میری اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ میں مجرمانہ زندگی سے توبہ کر چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اس کے باوجود ہم کمرے کی تلاشی ضرور لیں گے۔"

"آئیے۔" اس نے کہا۔

وہ اس کے کمرے میں آئے، کمرے کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھا بھالا، الماری، کپڑوں کا صندوق، برتن ہر چیز کی تلاشی لی، لیکن پستول کہیں نہ ملا، اس کے بعد

وہ صوفیہ کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ وہ اس کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں، یہ سن کر اسے بڑی حیرت ہوئی پہلے اس نے اپنے شوہر کی طرف اور پھر مرزا طفیل کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، کیا یہ تلاشی آپ کی اجازت سے لی جا رہی ہے، آخر کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کے ساتھ چل پڑی۔

صوفیہ کا کمرہ بہت ٹھاٹھ دار تھا، اس میں تین الماریاں تو کپڑوں کی ہی تھیں، ایک بڑی سنگار میز تھی، دوسرے سامان کی بھی دو الماریاں تھیں، سنگار میز کی درازوں میں انہیں تالے لگے نظر آئے۔

"ان درازوں میں کیا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ان میں میرے زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں ہیں۔" اس نے کہا۔

"پہلے یہ درازیں ہی کھول کر دکھا دیں۔" فاروق بولا۔

"کیا تمہیں کسی کی بات پر یقین نہیں۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"قتل کے کیس میں اگر کسی کی بات پر یقین بھی ہو، تب بھی چیک کرنا ہی پڑتا ہے۔" محمود بولا۔

"خیر! میں دکھاتی ہوں، اس نے اپنے ننھے سے پرس سے چابیاں نکالیں اور درازیں کھولنے لگی۔

درازوں میں رکھے زیورات دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، ان میں نہ صرف سونے کے زیورات تھے، بلکہ سچے موتیوں اور ہیروں کے ہار بھی تھے۔

"اوہو! یہ تو بہت قیمتی زیورات ہیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اسی لیے تو تالے لگا کر رکھتی ہوں۔" صوفیہ نے کہا.... "اور کیوں نہ ہوں، میرے شوہر اور ان کے بھائی غریب آدمی تو نہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے، آپ کو زیورات کا بہت شوق ہے۔" فاروق نے پوچھا۔

"ہاں بہت! میں ہر ہفتے ایک آدھ زیور خریدتی ہوں، میرا جی چاہتا ہے میرے پاس زمانے بھر کے زیورات موجود ہوں، کمرہ ان سے بھر جائے۔"

پورے کمرے کی تلاشی لینے کے بعد بھی انہیں اس کمرے سے پستول نہ ملا، ان کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ساتھ والا کمرہ کس کا ہے؟" محمود نے صوفیہ سے پوچھا۔

"میرے بھائی جب کبھی یہاں ٹھہرتے ہیں، اس کمرے میں رات گزارتے ہیں، کوٹھی کا یہ کمرہ ان کے لیے مخصوص ہے۔" اس نے بتایا۔

"بہت خوب! ہم اس کمرے کو بھی دیکھیں گے، آپ ذرا انہیں بھیج دیں۔"

"اچھا!" صوفیہ نے کہا اور پیر پٹختی چلی گئی۔

"زیورات کی شوقین عورت۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں! یہ عورت مجھے کچھ اچھی نہیں لگی، نہ اس نے ہمارے تلاشی کے کام کو پسند کیا۔" فاروق نے کہا۔

"اس کام کو تو خیر کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔" محمود بولا۔

اتنے میں اکرام رشید وہاں پہنچ گیا، اس نے آتے ہی کہا۔

"تو آپ میرا کمرہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں! سب کا دیکھا ہے تو آپ کا کمرہ کیوں نہ دیکھا جائے۔" محمود بولا۔

"آئیے..... ویسے میرے کمرے میں آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھا جائے گا۔"

تینوں کمرے میں داخل ہوئے، اس کمرے میں کچھ زیادہ سامان نہیں تھا، بس ایک بستر، دو کرسیاں، ایک میز اور کپڑوں کی ایک الماری، انہوں نے ایک ایک چیز کو

دیکھنا شروع کیا، غسل خانہ بھی دیکھا، سب سے آخر میں کپڑوں کی الماری کی باری آئی، انہوں نے تمام کپڑے ہٹا کر الماری کا جائزہ لیا، اچانک ایک کوٹ سے محمود کا ہاتھ ٹکرایا، اسے اس میں کسی ٹھوس چیز کا احساس ہوا، وہ چونک اٹھا اس نے جلدی سے کوٹ کی جیب کو باہر سے ٹٹولا اور پھر ہاتھ پر رومال لپیٹ کر اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا، اس کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں سیاہ رنگ کا ایک پستول تھا جسے محمود نے نالی کی طرف سے پکڑ رکھا تھا۔

☆☆☆

قاتل گرفتار

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے تو برآمدہ سنسان پڑا تھا، دوڑتے قدموں کی آواز ایک دم ختم ہو گئی تھی۔

”اکرام جلدی کرو، فون کے پاس کھڑے ہو جاؤ، قاتل ہماری باتیں سن چکا ہے، کہیں وہ فون پر کھنڈو کو اطلاع نہ دے دے۔“

”کھنڈو!“ فرزانہ کے منہ سے نکلا، اکرام دوڑتا چلا گیا۔

”ہاں! یہ اس کا نام ہے جس کی تصویر تم نے شناخت کی ہے، آؤ باتوں کا وقت نہیں ہے، ڈرائنگ روم میں اس وقت جو آدمی غیر حاضر ہوگا، بس وہی ہمارا شکار ہوگا....“ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

وہ دوڑتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، لیکن یہ دیکھ کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

”ارے! یہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔“ فرزانہ بولی۔

”خدا جانے!“ انسپکٹر جمشید بولے اور جانی کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی، جانی دوڑتا ہوا آیا۔

”بھئی یہ سب لوگ کہاں چلے گئے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”تھوڑی دیر پہلے مرزا طفیل نے کہا تھا کہ سب لوگ اپنے کمرے میں

آرام کریں، تفتیش کے لیے جسے بلایا جائے، وہ انسپکٹر صاحب کے پاس چلا جائے۔''

''اوہ!'' انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے، مرزا طفیل کے اس اقدام نے قاتل کو گرفتار ہونے سے بال بال بچالیا تھا، انہوں نے جلدی سے جانی سے کہا۔

''مرزا صاحب سے کہ، سب لوگ ڈرائنگ روم میں موجود رہیں گے، آج کے دن سب کا ساتھ رہنا ضروری ہے۔''

''جی اچھا!'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

''فرزانہ تم یہیں ٹھہرو، میں ذرا کھنڈو سے نپٹ کر آتا ہوں۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ کیوں نہ چلوں۔' فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''کھنڈو بہت خطرناک آدمی ہے، تمہارا جانا ٹھیک نہیں۔''

''تو آپ پولیس کی مدد ساتھ کیوں نہیں لے جاتے۔''

''اس طرح وہ فرار ہو جائے گا۔'' انہوں نے کہا۔

''تو پھر مجھے ضرور ساتھ لے چلیں۔'' فرزانہ بولی۔

''اچھا چلو، لیکن ذرا خیال رکھنا، تم پہلے ہی زخمی ہو۔''

''آپ فکر نہ کریں، کلپ میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اس کے ذریعے سے کام لینے میں دیر نہیں لگاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''وہ جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

''کیا آپ اس کے ٹھکانے سے واقف ہیں؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''ہاں! واقف ہوں، بہت دنوں سے اسے پھانسنے کے چکر میں ہوں اور شاید آج یہ موقع ہاتھ لگ جائے۔''

''لیکن آج بھی آپ اس کے خلاف ثبوت کہاں سے لائیں گے۔'' فرزانہ نے پوچھا۔

''اس نے عالم گیر ایڈووکیٹ کو پستول کے دو فائر کر کے مارا ہے، ہوسکتا ہے، وہ پستول اب تک اس کے پاس ہو، کیونکہ ہمیں عالم گیر کے گھر سے کوئی پستول نہیں ملا۔''

پندرہ منٹ کے سفر کے بعد انسپکٹر جمشید نے جیپ ایک گلی کے موڑ پر روک دی، دونوں نیچے اترے اور گلی میں داخل ہو گئے۔

''میں کھنڈو کے خلاف جال بچھانے کا ارادہ رکھتا ہوں، اس لیے بغیر کسی ہتھیار کے آیا ہوں.... وہ مجھے بغیر ہتھیار کے دیکھ کر شیر ہو جائے گا اور سب کچھ اُگل دے گا۔'' انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

''بہت بہتر! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی کچھ نہ کروں۔''

''جب تک وہ اپنے موجودہ جرم کا اعتراف نہ کر لے، تم حرکت میں نہیں آؤ گی۔''

''آپ اس کے جرم کے اقرار کو کیسے عدالت میں استعمال کر سکیں گے، وہ مکر جائے گا۔''

''میرے پاس ایک خفیہ ٹیپ ریکارڈ موجود ہے ننھا سا۔''

''اوہ!'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

گلی کے آخر میں ایک بہت پرانا مکان تھا، اس کا دروازہ بھی بہت پرانا اور سرخ رنگ کا تھا، رنگ جگہ جگہ سے اڑ چکا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی، انہیں یوں لگا جیسے اندر ایک دم خاموشی چھا گئی ہے، پھر قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھلا جھکی ہوئی کمر والے ایک بوڑھے نے سر مشکل سے اوپر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، اور بولا۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے۔''

''کھنڈو سے۔''

''اس سے ملاقات کی فیس پانچ سو روپے ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔''

''اندر آجاؤ۔'' اس نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا، ان کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا، انہیں یاد آیا، دروازہ کھلنے سے پہلے انہوں نے تالا کھلنے کی آواز بھی سنی تھی۔

بوڑھا ان کے آگے چلنے لگا، یہاں تک کہ ایک کمرے میں داخل ہوا، یہاں ایک میز کے گرد تین آدمی بیٹھے تھے، ان میں دو کی کمریں ان کی طرف تھیں اور ایک کا منہ، لیکن اس آدمی کو فرزانہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، ملاقات فیس ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''تم نے دروازہ اندر سے بند کر دیا؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''ہاں کر دیا۔'' بوڑھے نے کہا، اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ان کی طرف مڑے اور فرزانہ فوراً سمجھ گئی کہ عالم گیر کے گھر میں یہی دونوں تھے، دوسری طرف وہ فرزانہ کو دیکھ کر اچھل پڑے۔

''تت.... تم... تم تو وہی لڑکی ہو۔'' ان میں سے ایک کے منہ سے حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

''تم نے ٹھیک پہچانا کھنڈو۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

اب ان کی نظریں انسپکٹر جمشید پر پڑیں اور وہ ساکت رہ گئے، لیکن انہیں خالی ہاتھ دیکھ کر دونوں نے پلک جھپکتے میں پستول نکال لیے، تیسرا آدمی شاید انہیں پہچانتا نہیں تھا وہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھنے لگا۔

''آپ... اور یہاں۔'' اس نے کہا، یہ ایک پتلا دبلا اور لمبا آدمی تھا، سر کے

بال سرخ تھے۔

''ہاں کھنڈو! یہ میں ہوں.... میں تمہارے دوست رانو سے بھی بخوبی واقف ہوں، لیکن تمہارے تیسرے ساتھی میرے لیے اجنبی ہیں.... یہ کون ہیں۔''

''یہ ہمارے نئے ساتھی ہیں، البرنو.... مسٹر جمشید سے ملو، ملک کے مشہور ترین سراغ رساں!'' کھنڈو نے خوش گوار لہجے میں تعارف کرایا۔

''اوہ!'' البرنو کے منہ سے نکلا۔

''کھنڈو! عالم گیر وکیل کو تم نے قتل کیا ہے، تم سے یہ کام کس نے لیا، وہ پستول کہاں ہے، آج تم بچ نہیں سکتے۔''

''کیا پولیس ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

''پولیس دور دور تک موجود نہیں، کسی کو معلوم نہیں کہ میں یہاں ہوں، لیکن اس کے باوجود میں تمہیں گرفتار کر کے لے جاؤں گا۔'' انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''البرنو! گھر سے باہر جا کر اچھی طرح دیکھو، پولیس والے یا سادہ لباس والے آس پاس ہیں یا نہیں۔''

''بہت اچھا کھنڈو۔'' البرنو نے کہا اور چلا گیا۔

''مرانو! انسپکٹر صاحب اور ان کی لڑکی کی تلاشی لو، ان کے پاس کوئی چیز نہ رہنے دو۔''

''بہت اچھا!'' رانو نے اٹھ کر پہلے انسپکٹر جمشید کی تلاشی لی، لیکن ان کے پاس بٹوے کے سوا کچھ نہ نکلا، پھر وہ فرزانہ کی طرف بڑھا۔

''میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔'' فرزانہ بولی۔ رانو نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں، تلاشی لیتا رہا، لیکن فرزانہ کی جیبوں سے کچھ بھی نہ نکلا، رہ گیا کلپ تو وہ فرزانہ نے سر میں لگایا ہوا تھا، انسپکٹر جمشید کے پاس جو ننھا سا ٹیپ ریکارڈر تھا، وہ ان کی ٹائی پن

کی صورت میں موجود تھا، لہذا رانو نے کہا۔

''دونوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو رانو۔''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔''

''یہ نہیں ہو سکتا، پولیس کی مدد کے بغیر یہ ہتھیار لے کر ہی یہاں آ سکتے ہیں، تم پستول ان کی طرف تانے رہو، تلاشی میں لوں گا، انہوں نے ہتھیار ضرور کہیں چھپا رکھے ہیں۔''

رانو نے پستول نکال لیا، کھنڈو نے اپنا پستول جیب میں رکھا اور ان کی خوب اچھی طرح تلاشی لی، لیکن کچھ بھی نہ نکلا۔

''اس کا مطلب ہے، پولیس آس پاس ضرور موجود ہے۔'' کھنڈو نے فکر مند لہجے میں کہا۔

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے، پھر البرنو اندر داخل ہوا، یہ کوئی غیر ملکی لگتا تھا، اس نے اندر آتے ہی کہا۔

''دور دور تک کسی پولیس والے کا کوئی نشان نہیں، میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے، یقین نہیں آ رہا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں، کہ ہم پولیس کو ساتھ لے کر نہیں آئے، نہ یہ اطلاع دے کر آئے ہیں کہ کہاں جا رہے ہیں، دراصل پروگرام اچانک ہی بن گیا تھا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''اگر یہ بات ہے تو سنیے! عالم گیر کو میں نے قتل کیا ہے، جس کے کہنے پر کیا ہے، اسے میں نہیں جانتا، اس نے فون پر مجھ سے بات کی تھی، اور میرا معاوضہ مجھے پہنچا دیا

تھا۔'' اس نے کہا۔

''معاوضہ کس طرح ادا کیا گیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اس نے کل رات ہوٹل نور افشاں میں بلایا تھا، کمرے کا نمبر بھی بتایا تھا، میں وہاں پہنچا تو کمرے کی میز پر ایک پیکٹ رکھا تھا اور اس پر میرا نام لکھا تھا، میں وہ اٹھا کر لے آیا، اس میں پچیس ہزار روپے موجود تھے اور یہ ہدایت بھی تھی کہ عالم گیر کو ختم کرنے کے ساتھ مرزا طفیل کا وصیت نامہ بھی تلاش کرنا ہے، اس کے پانچ ہزار روپے الگ ادا کرنے کی پیش کش کی گئی تھی، میں رانو کو لے کر وہاں گیا تو آپ کی بیٹی سے اُلجھنا پڑا، خیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، لیکن وصیت نامہ ہمیں نہیں ملا، میں ہوٹل نور افشاں کے اسی کمرے میں پیغام رکھ کر آ گیا، کیونکہ اس نے یہی ہدایت کی تھی، پستول اس نے اپنے پاس سے دیا تھا اور واپس اسی کمرے میں رکھنے کی ہدایت کی تھی۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''بہت خوب! کھنڈو آج تم نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک قتل کا اقرار کیا ہے۔ اس لیے خود کو قانون کے حوالے کر دو۔''

''میں نے یہ اقرار اس لئے کیا ہے کہ مجھے گرفتاری کا کوئی خوف نہیں رہا تھا، میں جانتا ہوں، آپ جھوٹ ہرگز نہیں بولتے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اگر تم جانتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا تو یقین کر لو، اب تمہیں گرفتاری سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

''یہ تو مستقبل کی بات ہے، اس میں سچ اور جھوٹ کا کیا سوال؟'' اس نے کہا۔

''خیر! تم آج تک کتنے قتل کر چکے ہو۔''

''میں نے گنے نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، لوگوں سے معاوضہ وصول کر کے ان گنت قتل کر چکے

ہو۔" انسپکٹر جمشید نے زور دے کر پوچھا۔

"ہاں! اب تم دونوں کو بھی قتل کروں گا، آج تک دوسروں کے لیے یہ کام کرتا رہا ہوں، آج اپنے لیے کروں گا، اور یہ میرے لیے پہلے بلا معاوضہ قتل ہوں گے۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"شکر ہے، تم نے خود ہی اپنے منہ سے اگل دیا، اب سنو! تمہارے یہ الفاظ ٹیپ ہو چکے ہیں، تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیا تم کھنڈو کو موم کی ناک سمجھتے ہو۔"

"تمہارے یہ پستول میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"میں اب مزید تمہاری بکواس نہیں سن سکتا.... رانو ان کا کام تمام کر دو، ہم یہیں گڑھا کھود کر انہیں فون کر دیں گے۔" اس نے رانو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن کھنڈو.... سڑک کے کنارے ان کی جیب تو کھڑی ہے، اگر پولیس یہاں آ گئی اور اس کے گڑھے کے آثار پا لیے تو ہم کہاں ہوں گے۔"

"فکر نہ کرو، مجھے گڑھے کے نشانات مٹانے کا طریقہ آتا ہے، ہم گڑھا سرنگ کے طریقے پر کھودیں گے.... اسے شروع کہیں سے کریں گے، ختم وہ اس کمرے کی نیچے آ کر ہو گا۔"

"بھئی واہ! بہت زوردار ترکیب ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا اور فرزانہ کو اشارہ کیا، وہ پہلے ہی کمر کھجلانے کے بہانے ہاتھ پیچھے لے جا کر کلپ بالوں میں سے نکال چکی تھی اور اب وہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں اس طریقے سے پکڑا ہوا تھا کہ کسی کو بھی نظر نہیں آ رہا تھا، اس نے سب سے پہلے رانو کی آنکھوں کا نشانہ لیا اور کلپ کی سوئی دبا دی، فوراً ہی رانو کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور پستول اس کے ہاتھوں سے نکل گیا، دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو دبا کر وہ فرش پر بیٹھتا چلا

گیا۔

"ارے! تمہیں کیا ہوا۔" کھنڈو گھبرا کر بولا۔ اسی وقت البرنو کے حلق سے چیخ نکلی اور اس کا بھی یہی حشر ہوا، کھنڈو کی بوکھلاہٹ کا کیا پوچھنا، وہ حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف مڑا، اور ساتھ ہی کلپ سے نکلنے والی شعاع اس کی آنکھوں سے ٹکرائی۔

تین سیکنڈ کے اندر اندر وہ تینوں زمین پر گر چکے تھے اور بُری طرح تڑپ رہے تھے۔

"میں نے کہا تھا نا کھنڈو، اب تمہیں قانون سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

اسی وقت بوڑھا ملازم اندر داخل ہوا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے کا اندر کا منظر دیکھنے لگا۔

"بڑے میاں! اگر تم ان کے ساتھی ہو تو تمہیں بھی ان کے ساتھ چلنا ہو گا اور اگر صرف ان کے ملازم تھے تو ان کے خلاف عدالت میں گواہی دینا ہو گی۔"

"آپ.... آپ کون ہیں؟۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔"

"اوہ.... میں.... میں ان کا صرف ملازم تھا۔"

"ٹھیک ہے، انہیں باندھنے میں ہماری مدد کرو۔"

تھوڑی دیر بعد پولیس وہاں پہنچ چکی تھی، فون کرنے کا کام فرزانہ نے انجام دیا تھا اور کھنڈو اور اس کے ساتھی حوالات کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیے گئے، لیکن ان کا کام ابھی باقی تھا، عالم گیر کا اصل قاتل ابھی تک ان کی نظروں سے پوشیدہ تھا، لیکن اب یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ یہ سارا چکر وصیت نامہ اڑا لینے، وکیل صاحب اور مرزا طفیل کو ختم کر دینے کا تھا، قاتل ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا، اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود مرزا طفیل ابھی زندہ تھے۔

ان کی کوٹھی کا رُخ کرتے ہوئے، انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں گم تھے، پھر اچانک انہوں نے جیپ کا رُخ موڑ دیا اور وہ مخالف سمت میں چل پڑی، فرزانہ نے انہیں حیران ہو کر دیکھا، لیکن منہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔

☆☆

"یہ پستول آپ کا ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! ہرگز نہیں۔" اکرام رشید نے گھبرا کر کہا۔

"پستول اعشاریہ تین آٹھ کا ہی ہے اور اسی نمبر کے پستول سے عالم گیر کو قتل کیا گیا ہے، اس میں گولیاں بھی بھری ہوئی ہیں اور غالباً دو گولیاں چلائی بھی جا چکی ہیں، اس کا مطلب ہے، وہ یہی پستول ہے، اب سوال یہ ہے، کہ یہ کیسے آیا۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"کم از کم یہ خود بخود تو نہیں آ گیا، یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔" فاروق بول اٹھا۔

"اب اگر اس پستول پر آپ کی انگلیوں کے نشانات مل جاتے ہیں تو سارا معاملہ ہی حل ہو جاتا ہے۔" محمود نے فاروق کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"لیکن بھلا مجھے عالم گیر سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے، میں اسے کیوں مارتا، یہ ضرور کسی نے میرے خلاف سازش کی ہے، مجھے پھنسانے کے لیے پستول میرے کوٹ کی جیب میں رکھ دیا ہے۔" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ پستول یہاں کس نے کیوں رکھا ہے، خیر.... ہم اسے فنگر پرنٹ سیکشن کے حوالے کر دیتے ہیں، اس کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

وہ پستول لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، اکرام رشید ساتھ تھا، ان کی

نظریں جونہی پستول پر پڑیں، وہ اچھل ہی تو پڑے۔

"یہ.... یہ کہاں سے ملا۔" سب سے پہلے شرجیل کے منہ سے نکلا۔

"تو یہ آپ کا ہی پستول ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! یہ میرا ہے، کہاں سے ملا۔"

"یہ ہمیں مسٹر اکرام رشید کے کمرے سے ان کے کپڑوں کی الماری میں ملا ہے، کوٹ کی جیب میں تھا۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"اُف خدا.... تت.... تو کیا اکرام یہ تم تھے....." شرجیل نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"نہیں!" صوفیہ چلا اٹھی۔ اس کا بھی رنگ اڑ گیا۔

"یہ غلط ہے۔" اکرام رشید چلایا۔ اس قتل اور زہر خورانی سے میرا کوئی تعلق نہیں، ضرور کسی نے مجھے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔"

محمود نے فاروق کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود برآمدے میں چلا آیا، یہاں اکرام ابھی تک ایک کرسی ڈالے فون کو گھور رہا تھا۔

"انکل! میرا خیال ہے، اب یہاں آپ کی ضرورت نہیں! ابا جان تو اس وقت تک اس پیشہ ور قاتل کے پاس پہنچ بھی چکے ہوں گے، آپ اس پستول کو فوراً فنگر پرنٹ سیکشن میں لے جائیں، انگلیوں کے نشانات کے فوٹو فوری طور پر درکار ہیں۔"

"یہ کہاں سے ملا؟" اکرام کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اکرام رشید کی الماری سے۔" محمود بولا۔

"کیا!!!" اکرام چلا اٹھا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ قاتل ہے، میرا خیال ہے، کسی نے اسے پھنسانے کی کوشش کی ہے، ورنہ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا کہ آلۂ قتل کو اپنے کوٹ کی

جیب میں رکھ چھوڑتا۔"

"خیر! میں جاتا ہوں۔"

محمود واپس آیا تو مرزا طفیل تھکے تھکے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"خدا جانے یہ کیا ہو رہا ہے.... وہ کون ہے جو میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"آپ کا وصیت نامہ آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" فاروق نے اچانک کہا۔

"وصیت نامہ... کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"وکیل عالم گیر کے پاس ان کے وصیت نامے کے علاوہ اور کیا چیز تھی، جس کے لیے انہیں قتل کیا جاتا، کوئی شخص یہ چاہتا تھا کہ عالم گیر یہ بتانے کے لیے زندہ نہ رہیں کہ مرزا صاحب اپنی وصیت کر چکے ہیں اور یہ کہ وہ ان کے پاس محفوظ ہے، دوسری طرف مرزا صاحب زہر کا شکار ہو جاتے اور.... اور قاتل کا مقصد حل ہو جاتا..." فاروق معنی خیز انداز میں کہتا چلا گیا، محمود چونک اٹھا، فاروق کی باتوں میں مضبوطی تھی، وزن تھا، یقین تھا۔

عین اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی، انہوں نے پلٹ کر دیکھا، انسپکٹر جمشید اور فرزانہ اندر داخل ہو رہے تھے۔

"قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"کیا کہا آپ نے.... عالم گیر کا قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔" محمود چلا اٹھا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرے بھی حیرت کا بت بن کر رہ گئے۔

☆☆☆

خواب میں خواب

یہ چکر صبح شروع ہوا تھا اور اب شام ہو چلی تھی، گھر کے سب افراد اس وقت بھی ڈرائنگ روم میں تھے، اکرام بھی یہیں تھا، سارا دن ہر ایک کا یہی سوچتے گزرا تھا، کہ قاتل کون ہے، زہر کون دے رہا ہے اور اب انہوں نے یہ سنا تھا کہ وہ گرفتار ہو گیا ہے جب کہ ان میں سے کوئی بھی گرفتار نہیں ہوا تھا۔

"ابا جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، قاتل گرفتار ہو گیا ہے، حالانکہ سب لوگ یہاں بخیر و عافیت تشریف رکھتے ہیں۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! قاتل گرفتار ہو گیا ہے، لیکن اصل قاتل ابھی تک آزاد ہے۔" انسپکٹر جمشید سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"جی کیا مطلب! کیا آپ نے نقلی قاتل کو گرفتار کیا ہے، آپ نے یہ شوق کب سے شروع کر دیا۔" فاروق بولا۔

"جسے ہم نے گرفتار کیا ہے، وہ نقلی نہیں، پیشہ ور قاتل ہے، تم اسے کرائے کا قاتل کہہ سکتے ہو، معاوضہ لے کر قتل کیا کرتا ہے، اس نے عالم گیر مرحوم کو پچیس ہزار روپے لے کر موت کے گھاٹ اتارا تھا، اسے پچیس ہزار کس نے دیے، یہ ہمیں ابھی تک معلوم نہیں۔" وہ کہتے چلے گئے، سننے والوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"ابا جان! ہم نے آلۂ قتل تلاش کر لیا ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا اور پستول کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات، کیا اسے فنگر پرنٹ سیکشن بھجوایا جا چکا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! اب تو اس کی رپورٹ بھی موصول ہونے والی ہوگی، ساتھ ہی ان سب کے انگلیوں کے نشانات بھی لے لیے گئے ہیں۔"

"خوب! میں اس رپورٹ کا انتظار کروں گا اور اس کے بعد قاتل کو آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تت.... تو.... تو کیا قاتل ہم میں سے ہی کوئی ہے۔" مرزا طفیل ہکلائے۔

"ہاں! اور یہ چکر آپ کی وصیت کی وجہ سے چلا، کم از کم عالم گیر وکیل آپ کی وصیت کے ایک حصے کی وجہ سے مارے گئے۔" انہوں نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"آپ نے اپنی نقد جائیداد کے نصف حصے سے ایک عالی شان مسجد کی تعمیر کرانے کی وصیت کی ہے، یہ بات صرف آپ کو یا وکیل صاحب کو معلوم تھی، لیکن کسی طرح قاتل کو بھی معلوم ہوگئی، شاید اس نے آپ کی اور وکیل صاحب کی گفتگو سن لی تھی، بس اس نے سوچا، اگر وکیل صاحب کو بھی آپ کے ساتھ ختم کر دیا جائے تو نقد جائیداد کا نصف حصہ بھی بچ جائے گا۔"

"کیا آپ کا اشارہ میری طرف ہے۔" شرجیل بھڑک کر بولا۔

"وکیل صاحب اور مرزا صاحب کے انتقال کی صورت میں سب سے زیادہ فائدے میں کون رہے گا، یہ آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں، باقی لوگ بھی اس بات کو

بخوبی جانتے ہیں۔"

"لیکن میں نے نہ تو عالم گیر کو قتل کیا ہے اور نہ ابا جان کو زہر دیا ہے، مجھے ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، آخر کار یہ ساری جائیداد مجھے ہی تو ملے گی، رہی مسجد کے حصے کی بات، تو اتنا کم ظرف نہیں کہ ایک نیک مقصد کو نظر انداز کر دوں۔" شرجیل نے کہا۔

"تو پھر آپ ہی بتائیے، آپ کے علاوہ کون ایسا کر سکتا ہے، اور کسے یہ جرم کر کے فائدہ پہنچتا ہے، آپ کے سوا کسی کو نہیں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"لیکن اس کے باوجود یہ جرم میں نے نہیں کیا۔" اس نے چلا کر کہا۔

"چیخنے اور چلانے کی ضرورت نہیں، ہم میں سے کوئی بہرہ نہیں...." انسپکٹر جمشید بولے۔

اسی وقت فنگر پرنٹ سیکشن کے دو آدمی اندر داخل ہوئے، انہوں نے پستول سمیت رپورٹ ان کے سامنے پیش کی اور چلے گئے، انسپکٹر جمشید رپورٹ میں مگن ہو گئے، پھر انہوں نے انگلیوں کے نشانات پستول پر پائے جانے والے نشانات سے ملا کر دیکھے، پھر اکرام سے بولے۔

"اکرام پولیس کو فون کر دو، میں اس کیس سے اسی وقت فارغ ہونا چاہتا ہوں۔"

"جی اچھا!" اس نے کہا اور چلا گیا۔

کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی، سب کے دل بری طرح دھک دھک کر رہے تھے، سب سے زیادہ بری حالت شرجیل کی تھی اور اس کے بعد مرزا طفیل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"انسپکٹر صاحب! میرا بیٹا کبھی میرے خلاف اس قسم کا اقدام نہیں کر سکتا،

میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" مرزا طفیل کی آواز اُبھری۔

"کبھی والدین اپنی اولاد کو اچھی طرح جانتے ہیں، اس کے باوجود اس قسم کے واقعات عام سننے اور پڑھنے میں آتے رہتے ہیں، ہاں تو میں اب تفصیل سے بتاتا ہوں کہ یہ واردات کیسے عمل میں آئی.... آپ کو زہر تو کئی ہفتے پہلے سے دیا جانے لگا تھا، ابھی یہ پروگرام جاری رہتا اور آپ آہستہ آہستہ ختم ہوتے چلے جاتے، ادھر آپ ختم ہوتے، ادھر عالم گیر کو ختم کر دیا جاتا اور اس طرح مسجد کا حصہ بھی بچ جاتا، منصوبہ تو یہ تھا، لیکن ہوا یہ کہ آپ نے میرے پاس آنے کا پروگرام بنا لیا اور یہاں یہ ذکر بھی کر دیا، قاتل نے سوچا، اب وہ اپنے پروگرام پر اس رفتار سے عمل جاری نہیں رکھ سکتا، چنانچہ اس نے فوری طور پر منصوبے کو مکمل کرنے کی ٹھان لی، ادھر آپ میرے پاس آئے، ادھر وہ حرکت میں آ گیا، اس نے فوراً مشہور پیشہ ور قاتل کھنڈو سے رابطہ قائم کیا، اس مقصد کے لیے قاتل نے ہوٹل نور افشاں کا ایک کمرہ استعمال کیا، ادھر تو اس نے کھنڈو کو عالم گیر کی طرف روانہ کیا، ادھر خود مرزا صاحب کے کمرے میں زہر کی اتنی مقدار دی کہ یہ ایک ہی دن میں دنیا سے رخصت ہو جاتے، لیکن اتفاق کی بات کہ فرزانہ وہاں ہماری نسبت کچھ زیادہ دیر رُک گئی اور اس پر بھی زہر کا اثر ہو گیا، چنانچہ میں نے آپ کا کمرے میں جانا بند کر دیا، اس طرح آپ بال بال بچ گئے، لیکن عالم گیر کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا، لہٰذا انہیں نہ بچایا جا سکا، اگرچہ فرزانہ نے اپنی جان لڑا دی... ادھر قاتل... یہاں داخل ہوا، اس نے صوفیہ صاحبہ اور جانی کو بے ہوش کیا اور اندر وصیت نامہ تلاش کیا، لیکن وصیت نامہ اسے نہ ملا، وہ وہاں سے تیزی سے نکلا اور ایک سرخ رنگ کی کار میں بیٹھ کر چلا گیا، اسے محمود اور فاروق نے یہاں سے نکلتے ہوئے صاف دیکھا تھا، لیکن اس وقت وہ اپنا حلیہ کچھ تبدیل کیے ہوئے تھا، اس نے سر پر سرخ بالوں کو وِگ لگا رکھی تھی، اور نقلی مونچھیں بھی لگا رکھی تھیں، اس لیے صوفیہ

صاحبہ اور جانی اسے پہچان نہ سکے، لیکن ابھی جب میں اسے سُرخ بالوں کی وگ پہناؤں گا اور نقلی مونچھیں لگاؤں گا، تو نہ صرف یہ دونوں اسے پہچان لیں گے، بلکہ محمود اور فاروق بھی حیران رہ جائیں گے، یہاں سے نکل کر وہ ہوٹل نور افشاں پہنچا، وہاں اسے پستول رکھا ملا، اور یہ پیغام بھی کہ عالم گیر کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے، اس نے پستول اخبار میں لپیٹا، اسے جیب میں رکھا اور اپنا بدلا ہوا حلیہ ختم کر کے واپس یہاں آیا اور پستول اکرام رشید صاحب کی الماری میں کوٹ کی جیب میں رکھ دیا، تاکہ اکرام رشید پر شک کیا جائے، اسے اطمینان تھا کہ مرزا طفیل تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے کمرے میں چلے گئے تو موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے، ادھر اس نے کیس میں اور اُلجھنیں پیدا کرنے کے لیے عالم گیر کے دفتر کی میز سے چرائی گئی ایک بال پوائنٹ پنسل ان کے کمرے میں آتش دان پر رکھ دی، لیکن وہ پنسل دراصل فرزانہ کی تھی، قاتل نے کل شام عالم گیر صاحب سے ملاقات کی تھی، ہم ان کے اسسٹنٹ سے معلوم کر چکے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ یہ فرزانہ کی پنسل ہی تھی جس نے ہمیں قاتل تک پہنچایا، قاتل کو کیا معلوم تھا کہ وہ جس پنسل کو عالم گیر کی پنسل خیال کر رہا ہے، وہ ان کی نہیں وہ تو انہوں نے اپنی بیٹی سے لی تھی اور ان کی بیٹی نے فرزانہ سے لی تھی...."

"لیکن میں نے کل عالم گیر صاحب سے ملاقات نہیں کی۔" شرجیل اس موقعے پر چلا اٹھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، آپ نے اس سے ملاقات نہیں کی، لہٰذا آپ کے بعد اگر کسی کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ آپ کی بیگم صوفیہ صاحبہ ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"قتل کے لئے پستول شرجیل صاحب کا استعمال کیا گیا ہے اور پستول پر

صرف انہی کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔''

''نہیں!!'' شرجیل کے منہ سے خوفزدہ لہجے میں نکلا'' صوفیہ ایسا نہیں کر سکتی۔''

''ٹھیک ہے، صوفیہ صاحبہ نے ایسا کیا بھی نہیں، یہ کام تو صرف اور صرف مسٹر اکرام رشید کا ہے۔''

''کیا!!!'' وہ اچھل پڑے۔

''ہاں! انہوں نے سوچا تھا، شرجیل قتل کے جرم میں پھنس گیا تو تمام دولت کی مالک ان کی بہن ہوگی اور بہن کی دولت بھائی آزادانہ استعمال کر سکتا ہے، خاص طور پر اس صورت میں کہ بہن اپنے بھائی سے بے تحاشہ محبت بھی کرتی ہو۔''

''لیکن زہر دیا کس طرح گیا، آپ نے اب تک یہ تو نہیں بتایا۔''

''یہاں بھی قاتل نے مسٹر شرجیل کو پھنسانے کی کوشش کی، اس نے زہر اس تصویر کے ذریعے دیا جو مسٹر شرجیل مرزا صاحب کے لیے لائے تھے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ سارا پروگرام مسٹر شرجیل کا تھا، تصویر کا فریم بہت چوڑی لکڑی کا ہے، اور نرم لکڑی کا ہے، اس لکڑی پر جب زہر کے قطرے ٹپکا دیے جاتے ہیں تو وہ بخارات کی صورت میں کمرے میں پھیل جاتا ہے، شروع میں زہر کی مقدار بہت معمولی رکھی گئی، لیکن آج صبح جب قاتل یہاں داخل ہوا اور وصیت نامے کو تلاش کیا، تو اس کے ساتھ ہی اس نے بہت سا زہر بھی لکڑی کے فریم پر ڈال دیا، اسی لیے اس کمرے میں عجیب سی بُو کا احساس ہوتا تھا، فرزانہ اسی لیے بے ہوش ہوگئی تھی کہ وہ ہماری نسبت زیادہ دیر اندر رہی تھی، اور اگر مرزا طفیل رات بسر کر لیتے تو ان کے پھیپھڑوں میں پہلے ہی کافی زہر پہنچ چکا تھا، لہذا یہ فوراً اس کا شکار ہو جاتے.... یہ تھی کل کہانی، اب اگر مسٹر اکرام رشید اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہیں تو عدالت کے دروازے ان کے لیے کھلے ہیں، لیکن

یہ بچ نہیں سکتے، کیونکہ تصویر کے فریم پر بھی ان کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں، ہوٹل کا عملہ بھی انہیں بدلے ہوئے حلیے میں فوراً پہچان لے گا، جیسا کہ ابھی صوفیہ صاحبہ اور جانی کے ساتھ ساتھ محمود اور فاروق بھی پہچان لیں گے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام رشید کے سر پر وگ رکھ دی اور مونچھیں اوپری ہونٹ پر چپکا دیں، محمود اور فاروق بھونچکے رہ گئے، ان کے سامنے وہی آدمی تھا، جسے انہوں نے باہر نکلتے دیکھا تھا، صوفیہ کا چہرہ بھی تاریک پڑ گیا، پھر اس کے منہ سے کپکپاتی آواز میں نکلا۔

''اکرام! میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی، یہ تم نے کیا کیا۔''

اس نے جواب میں بھی نہ کہا، سر جھکتا چلا گیا، اس کے پاس کہنے کے لیے تھا بھی کیا، اسی وقت بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی اور پولیس والے اندر داخل ہوئے، انسپکٹر جمشید کے اشارے پر قاتل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

''ابا جان! ایک بات رہ گئی، آخر وہ وصیت نامہ کہاں ہے؟'' محمود نے سوال کیا۔

''عالم گیر کے اسسٹنٹ نے بتایا ہے کہ وہ وصیت نامے اپنے بینک کے لاکر میں رکھتے ہیں، لہذا مرزا صاحب کا وصیت نامہ بھی وہاں موجود ہے اور اگر یہ بات اکرام رشید کو معلوم ہوتی تو شاید وہ عالم گیر کو ختم کرنے کا پروگرام کبھی نہ بناتا، بس صرف مرزا طفیل کو زہر دینے کی سوچتا اور مسجد والے حصے پر صبر کر لیتا، لیکن یہ سب جھوٹی خواہشات ہیں، روزی تو وہی ہے جو جائز طریقے سے کمائی جائے، اور جس کے لیے خون پسینہ ایک کیا جائے، راتوں رات دولت حاصل کرنے کا خواب ہمیشہ تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔''

''خدا ایسے خواب سے بچائے اور ہم خواب میں بھی کبھی ایسا خواب نہ

دیکھیں۔'' فاروق نے کہا اور وہ مسکرانے لگے، لیکن وہاں چند چہرے ایسے بھی تھے جن پر مسکراہٹ کا دور دور تک پتا نہ تھا۔

---------- ☆☆☆ ----------

یکم جولائی 2007 کو شائع ہونے والے ناول

انسپکٹر جمشید کی شکست

-/40 روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز کا تازہ ترین ناول

☆ انسپکٹر جمشید کے ذمے ایک کیس لگایا گیا...... ☆ ایک گم شدہ شخص کو تلاش کرنا تھا...... ☆ پوری پارٹی میدانِ عمل میں کود پڑی...... ☆ سراغ رسانی کے گھوڑے چاروں طرف دوڑا دیئے گئے...... ☆ ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا...... ☆ پھر کیا آپ کے کردار اس کیس میں کامیاب ہو گئے...... ☆ جی نہیں... انہوں نے ایک ایسی شکست کھائی...... کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے...... ☆ اشتیاق احمد کے قلم سے ایک سنسنی خیز ناول...... انسپکٹر جمشید کی شکست!!

اشتیاق احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز کے آٹھ سنسنی خیز اور دلچسپ ناول

ناول نمبر 77 — چوٹ پر چوٹ

ناول نمبر 78 — مصنوعی قتل

ناول نمبر 79 — توپ کی چوری

ناول نمبر 80 — بیس سال بعد

ناول نمبر 81 — خفیہ تحریر

ناول نمبر 82 — نقاب کے پیچھے

ناول نمبر 84 — خونی محل

ناول نمبر 85 — آخری پیکٹ

D-83 سائٹ۔ کراچی

فون: 021-2581720

021-2578273

ای میل: atlantis@cyber.net.pk